پھلواڑی

(بچوں کیلئے)

دینی و علمی دلچسپ سبق آموز کہانیوں کا مجموعہ



امتہ الباسط ایاز

لندن

نام کتاب	:	پھلواڑی
		(دینی وعلمی دلچسپ سبق آموز کہانیوں کا مجموعہ)
مصنفہ	:	امتہ الباسط ایاز، لندن
سن اشاعت	:	2013ء
تعداد	:	1000
کمپوزنگ وتزئین	:	کرشن احمد، قادیان
پبلشر	:	ڈاکٹر سعدیہ ایاز، لندن - یو.کے
		00-44-2088790985



Unitech Publications

Distt Gurdaspur, PUNJAB (INDIA.)

Ph. 00-91-9815617814 , 9872341117

khursheedkhadim@yahoo.co.in

www.unitechpublications.in

Printed at: *Printwell Amritsar* (INDIA)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہٖ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

انتساب



یہ کتاب میں اپنے بچوں، پوتے پوتیوں، نواسے نواسیوں کے نام کرتی ہوں جن کو میں اکثر نبیوں کی کہانیوں کے علاوہ اس کتاب میں لکھی کہانیاں سنایا کرتی تھی اور دُعا کرتی ہوں کہ اللہ کرے کہ ان کے دین و دنیا کے علوم میں برکت ہو اور روحانیت نصیب ہو۔ آمین۔

عاجزہ

امۃ الباسط ایاز لندن



بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین





پیش لفظ

(از طرف محترمہ شمیم اختر گیانی صاحبہ صدر لجنہ اماء اللہ بھارت، قادیان)

مکرمہ و محترمہ امۃ الباسط ایاز صاحبہ آف لندن نے بڑے ہی پیار و محبت اور دلی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے خاکسار سے پیش لفظ لکھنے کی خواہش کی ہے۔ یہ خواہش کا اظہار صرف اور صرف اس الٰہی نظام جماعت اور نظام خلافت کی برکت اور نعمت کی بدولت ہے جس کے ٹھنڈے اور شیریں سائے تلے آج جماعت احمدیہ کے مرد و زن بچے بوڑھے ایک امام وقت کی آواز پر صدق دل سے لبیک کہتے ہوئے روحانی منازل کی سیڑھیاں طے کرنے میں کوشاں ہیں تا خدا اور خدا کے رسول نبی کریم ﷺ کا پیار اور رضا حاصل ہو اور ہم اپنے بچوں کی کماحقہ تربیت کر سکیں۔

’پھلواڑی‘ کتاب اسلامی تعلیمات کے مطابق ننھے منھے نونہالان احمدیت کی بہترین تربیت کا احمدی ماؤں کیلئے ایک مجرّب نسخہ ہے۔ اس میں دی گئیں سبق آموز دلچسپ کہانیاں جہاں بچپن میں بچوں کو لوریاں دے کر سلانے کا آسان مفید طریق ہے وہاں ساتھ ساتھ اسلام و احمدیت کے ہونہار فدائی اور سچے سپاہی بننے کیلئے ٹریننگ کا سلیبس بھی ہے۔

یہ کتاب نہایت ہی سادہ اور دل نشیں طرز پر مرتب کی گئی ہے تا کہ بچے بھی آسانی سے سمجھ سکیں۔ مصنفہ نے بڑی محنت اور بڑے ہی پیار اور محبت سے بچوں کیلئے یہ کتاب تالیف کی ہے۔ اللہ تعالیٰ بچوں کیلئے اس کتاب کو مفید اور کارآمد بنائے۔ امۃ الباسط صاحبہ کی دیگر تصانیف بھی جیسے نشمین، زجاجہ، مرقاۃ العافیہ اور قرینۂ ضیافت نہایت دلنشیں انداز میں تحریر کی حامل ہیں اور صرف دلچسپ اور مفید ہی نہیں بلکہ امۃ الباسط صاحبہ کے مشاہدات اور علم و عرفان سے مزین ہیں۔ ان کو بھی حاصل کر کے ضرور پڑھئے۔

اللہ تعالیٰ محترمہ امۃ الباسط ایاز صاحبہ کو جزائے خیر عطا کرے۔ ان کی صحت اور عمر میں برکت ڈالے اور اللہ تعالیٰ ہر آن آپ پر اپنی بے پناہ رحمتیں اور برکتوں کی بارشیں برساتا چلا جائے اور آپ کی اس

مساعی میں بے انتہا برکت ڈالے اور مزید مقبول خدمات دینیہ کی توفیق دے۔ آمین۔

ہم احمدی ماؤں کا بھی یہ فرض بنتا ہے کہ پہلے خود اس کتاب کا بغور مطالعہ کریں پھر اپنے بچوں کی گھٹی میں ان سبق آموز اور ایمان افروز کہانیوں کا شیریں رس نچوڑ کر پلا دیں تا کہ وہ تا زندگی اس شیریں رس سے لطف اندوز ہوتے رہیں اور ہم ماؤں کے لئے جنت کا راستہ صاف کرنے کیلئے دعائیں کرتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ قارئین کو اس گرانقدر کتاب سے بھرپور استفادہ کرنے کی توفیق دے اور ہر لحاظ سے اس کو نافع الناس بنائے نیز احمدیت کے نوخیز اس کو پڑھ کر اسلام کے شیدائی بنیں۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت مبارک فرمائے اور یہ کتاب بچوں اور بچیوں کی تربیت کیلئے مؤثر ثابت ہو۔ قدر شناس ضرور اس کی قدر کریں گے۔ انشاء اللہ۔

والسلام

محتاج دُعا

شمیم اختر گیانی

اگست 2013ء



آپ کے نام

میں کیا لکھوں میں کیا چھوڑوں کہاں تک لکھتی جاؤں میں
زبانی عرض کرنے بیٹھوں تو کہتی ہی جاؤں میں



پیارے بچو!

یہ کہانیوں کا مجموعہ لکھنے کا خیال مجھے کچھ عرصہ سے آ رہا تھا جبکہ میرے اپنے نواسے، نواسیاں اور پوتے سبھی مجھ سے ہر روز کوئی نہ کوئی نئی کہانی سنانے کی فرمائش کرتے۔ خاص طور پر جب ان کا دوپہر کو یا رات کو سونے کا وقت ہوتا اور وہ نہ سونے کی ضد کرتے تو ان کی مائیں کہتیں کہ اُمی ان کو بھی تو وہی کہانی سنائیں جو ہمیں سنایا کرتی تھیں اور ہم سنتے سنتے سو جاتے تھے۔ لہٰذا یہ سلسلہ اِس طرح سے شروع ہوا کہ میں نے سوچا کہ کیوں نہ احمدی بچوں اور بچیوں کے لئے مفید، دلچسپ اور سبق آموز کہانیوں کا ایک مجموعہ بنا کر پیش کروں۔

سب بچوں کو آج کل اُردو بھی ضرور لکھنا اور پڑھنا سیکھنا چاہیئے۔ یہ بہت پیاری زبان ہے۔ خلفاء سلسلہ نے بھی اس کے سیکھنے پر بہت زور دیا ہے۔ بچو! آپ سب ایم ٹی اے پر نشر ہونے والی ''گلشنِ وقفِ نو'' کی اردو کلاس بھی ضرور دیکھا کیجئے۔ اس سے بھی آپ کی اُردو اچھی ہو جائے گی۔

کہانی اچھی ہو، دلچسپ ہو تو کسے سننے کا مزا نہیں آتا اور یہ تو سب کا ہی تجربہ ہوگا کہ دنیا بھر کی مائیں اپنے چھوٹے بچوں کو سلانے کیلئے گود میں لیکر کوئی نہ کوئی دعائیہ نظم، لوری، لالا بائی یا پھر پنجابی میں ہی گیت سناتی ہیں۔ عربی مائیں بھی میں نے دیکھا کہ عربی زبان میں ہی دعائیہ اشعار ترنم سے یا سادہ زبان میں سنا کر سلاتی ہیں۔ ہم سب بہنوں بھائیوں نے بھی اپنی اُمیؒ جان سے بچپن میں قرآن کریم میں مذکورہ اکثر

انبیاء کی کہانیاں حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت مریمؑ وغیرہ کی سنی تھیں اور بہت سی نظمیں کلام محمود اور درثمین سے یاد ہوگئی تھیں جبکہ ابھی سکول جانا بھی شروع نہیں کیا تھا اور آج تک یاد ہیں۔

دراصل ''ماں کی گود ہی پہلی درسگاہ ہے'' یہ بالکل صحیح بات ہے۔آج جو یہ کتاب چھوٹی کچھ سچی اور کچھ فرضی سبق آموز کہانیوں کے مجموعہ کی شکل میں آپ کے ہاتھ میں ہے کچھ اِسی طرح کا مقصد لئے ہوئے ہے کہ والدین اپنے بچوں کو بھی پڑھ کر سنائیں اور ساتھ ساتھ اردو بھی سکھائیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس سے استفادہ فرمائیں گے۔

والسلام

عاجزہ

امۃ الباسط ایاز لندن



خدا کی تعریف



پیارے بچو! آپ کو کہانی سننے کا شوق تو بچپن سے ہی ہوگا۔ 5 یا 6 سال کے ہوں گے اور شاید ابھی تک کچھ بچے کھانا بھی اپنی اُمی کے ہاتھ سے ہی کھاتے ہوں گے۔ اِس عمر میں بچوں کو سوال کرنے کی بہت عادت ہوتی ہے۔ اکثر بچے کھانے کے وقت بھی سوال کرتے ہیں کہ یہ کیا ہے اور وہ کیا ہے اور یہ ایسا کیوں اور ویسا کیوں ہے۔ بازار ساتھ لے جاؤ تو وہاں سوالوں کی بوچھاڑ ہوتی ہے۔ گویا یہ عمر ہر بات کو جاننے کی ہوتی ہے۔ بچے کم عمر ہونے کی وجہ سے کم علم بھی ہوتے ہیں اور گھر کی چار دیواری سے نکلے تو سکول کے بچوں سے ملکر نئی دنیا دیکھتے ہیں۔ مختلف کھیل، نظم وضبط اور اصول کے پابند کئے جانے پر بوکھلا سے جاتے ہیں اور گھر آکر اپنی اُمیوں سے سوال بھی کرتے ہیں اور اپنے علم میں اضافہ کیلئے یہ بھی پوچھتے ہیں کہ اُمی میرا دوست تو کبھی کھانا کھانے سے پہلے نہ ہاتھ دھوتا ہے نہ ہی اس کو پتہ ہے کہ خدا کون ہے اور کہاں ہے۔

یہ کہانی ایسے ہی ایک لڑکے کی ہے جس نے ایک دن اپنی اُمی سے کہا کہ آج آپ یہ سب باتیں مجھے بتایئے۔ کل میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ میں تمہیں سب کچھ بتاؤں گا۔ مجھے یہ تو تھوڑا تھوڑا پتہ ہے کہ اللہ ایک ہے اور اُس نے ہمیں بنایا ہے جبکہ آپ کہتی ہیں کہ ہم آدم کی اولاد ہیں یہ کیا معاملہ ہے؟ آپ مجھے پہلے اللہ تعالیٰ کے بارہ میں بتائیں کیونکہ اُمی میری کلاس میں ایک ہندو لڑکا بھی ہے اور ایک انگریز بھی ہے۔ ہندو کہتا ہے کہ بھگوان تو مٹی کی مورتی کا بنا ہوا ہوتا ہے اور ہمارے گھر میں ایک کونے میں رکھا رہتا ہے اور انگریز کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں اور

ہماری ساری دعائیں ان کے ذریعہ خدا تک پہنچتی ہیں، میں کچھ سمجھ نہیں پایا۔آج جبکہ میں 8 سال کا ہونے کو ہوں تو مجھے تو تبلیغ بھی کرنا سیکھنا چاہیئے۔ اُمی! بس یہ کام آج کریں کہ آج سے مجھے آپ خدا تعالیٰ کی ہستی کے بارہ میں بتائیں تا کہ میرا ایمان مضبوط ہوجائے اور میں خدا کی موجودگی کو محسوس کر کے اپنے ساتھیوں کو بھی بتا سکوں اور وہ ایک زندہ خدا کو ماننے والے، اُس سے مانگنے والے اور اُس پر بھروسہ کرنے والے اور اُس کا شکر اور ذکر کرنے والے بن جائیں۔ اُمی نے یہ بات بیٹے سے سن کر بہت خوشی کا اظہار کیا کہ بیٹے اب میں آپ کو اللہ تعالیٰ جسے خدا تعالیٰ اور خدا بھی کہتے ہیں کے بارے میں بتاؤں گی۔ بچے آپ کو سورۃ اخلاص تو آتی ہے اس کا ترجمہ یہی ہے کہ اللہ ایک ہے۔قل کا لفظ جو آخری تین سورتوں سے پہلے رکھا گیا ہے اس میں یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ ہمارا یہ پیغام آگے دوسرے لوگوں تک پہنچا دو۔ اب یہ لازمی بات ہے کہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچا دیں گے تو چونکہ اس کے بعد دوسرے لوگ بھی قل کا لفظ پڑھیں گے۔ اسلئے ان پر بھی فرض ہوجائے گا کہ وہ اس کلام کو اور لوگوں تک پہنچائیں۔ گویا قل کہہ کر اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ تم ہماری اِس تعلیم کو اپنی ذات تک محدود نہ رکھو، اسے دوسروں تک بھی پہنچاؤ۔ پھر تم سے سننے والے اور لوگوں کے سامنے بیان کریں۔ پھر وہ آگے اور لوگوں تک پہنچائیں، یہاں تک کہ ہوتے ہوتے ساری دنیا تک یہ پیغام پہنچ جائے۔

میرے خیال میں یہ تفسیر جو میں نے تفسیر صغیر سے لی ہے واضح کرتی ہے کہ قل کا مطلب صاف سمجھ آ گیا ہے اور بچوں کو سمجھنے میں آسانی ہوجائے گی کہ بار بار قل کیوں کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لکھ بھیجا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور بہت حکمت کی باتوں سے بھری ہے۔ تو اس سورۃ کا مطلب یہ ہے کہ تو سب کو بتا دے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا ہے۔ اللہ وہ ہستی ہے جس کے سب محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ نہ اُس نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ جنا گیا ہے اور (اس کی صفات میں) اس کا کوئی شریک کار نہیں۔

اُمی نے جب یہ سورۃ بتائی اور سمجھایا کہ اللہ ایک ہے۔ نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے تو بچہ تو حیران ہو گیا کہ کیا اللہ میاں آسمان پر اکیلے رہتے ہیں گھبراتے نہیں، ڈرتے نہیں! اس پر اُمی نے سمجھایا کہ بیٹا اللہ کی شان ہے کہ اس کو ایک ہی کہو۔ وہ خدا تعالیٰ اکیلا ہے اس کو ایسے ہی پُکارنا چاہیئے۔ اور خدا کے معنی بھی تو ہیں خود۔ یعنی ایسا وجود جسے کسی نے پیدا نہ کیا ہو بلکہ ہمیشہ سے خود بخود چلا آتا ہے۔ وہ واحد لاشریک یعنی اکیلا ہے۔ اس کا کوئی ساتھی نہیں۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں اور نہ اس کی کوئی بیوی ہے کیونکہ اُسے اس کی ضرورت نہیں۔ وہ ساری دنیا کا پیدا کرنے والا ہے۔ وہ سب کا مالک ہے اور سب پر حاکم ہے۔ وہ خود زندہ ہے سب کو زندگی بخشتا ہے۔ وہی ساری دنیا کی حفاظت کرتا ہے۔ اُسے نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ اور وہ کبھی نہیں تھکتا۔ اس کا ایسا جسم نہیں کہ ظاہری آنکھ اُسے دیکھ سکے بلکہ دل کی آنکھ سے اُسے دیکھا جاسکتا ہے۔ وہ اپنے پیاروں پر ظاہر ہوتا ہے وہ کسی ایک جگہ نہیں بلکہ ہر جگہ موجود ہے۔ زمین اور آسمان سب اُسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ کوئی چیز یا کوئی ذرّہ بھی اس کی بادشاہت سے باہر نہیں۔

بس بس اُمی! میں تو اب تھک گیا ہوں۔ یہ کہانی یہاں ختم کردیں باقی کل سہی۔ مجھے تو نیند آرہی ہے۔ اللہ میاں نے تو جاگتے ہی رہنا ہے آپ مجھے باقی کل سنائیں۔ بڑا مزا آرہا ہے۔

اگلے دن بھی کہانی کا اگلا حصہ سننے کے لئے دن کے گزرنے کا انتظار سکول میں بھی کرتا رہا کہ گھر جاکر اپنی اُمی سے مزید اللہ تعالیٰ کے بارہ میں پوچھوں گا، اللہ کے نام اور کام بھی۔ بس پھر کیا تھا رات ہوتے ہی مُنّے نے اپنی فرمائش شروع کردی۔ اُمی نے بتایا کہ پہلے یہ تو بتاؤ کہ کل کی کہانی کی کوئی بات یاد بھی ہے؟ بیٹے نے جھٹ سے کہا کہ ایک بات تو کبھی نہیں بھولوں گا کہ اللہ ایک ہے اور ہر جگہ موجود ہے۔ ماں نے کہا شاباش! اور آگے سُنانا شروع کیا کہ اُسی خدا نے ہمارے لئے ہماری پیدائش سے پہلے سورج، چاند، ستارے، زمین، ہوا اور دریا، سمندر اور پہاڑ پیدا کئے۔ ان چیزوں سے فائدہ اُٹھائیں اور آرام سے زندگی گزاریں۔ وہ بولتا بھی ہے اور سنتا بھی ہے مگر اس کا

بولنا اور اُس کا سننا اور دیکھنا انسان کے بولنے اور دیکھنے کی طرح نہیں ۔ وہ بولنے کیلئے زبان کا محتاج نہیں اور سننے کیلئے کان کا محتاج نہیں اور دیکھنے کیلئے آنکھ کا محتاج نہیں ۔

جو شخص دوسروں سے لڑے ۔ اُنہیں گالیاں دے، ناحق دُکھ دے اس سے وہ سخت ناراض ہوتا ہے اور اِسی طرح جو شخص دو ساتھیوں میں یا دو بھائیوں میں یا دو ہمسایوں میں یا دو دوستوں میں لڑائی یا فساد ڈلوائے اُس سے بھی وہ ناراض ہوتا ہے ۔ سچ بولنے والا اس کو بہت پیارا ہے اور جھوٹ بولنے والا اس کی سزا کا مستحق ہے ۔ وہ ہر ایک عیب، کمی اور برائی سے پاک ہے اور جس قدر بھی خوبی کی باتیں ہوسکتی ہیں ۔ وہ سب اس میں یعنی خدا میں پائی جاتی ہیں ۔ وہ چاہتا ہے کہ اُس کے بندے اس کی صفات کا علم حاصل کریں اُس کے صفاتی نام بھی ہیں جو گنتی میں 101 ہیں ۔ انسان کو ان صفات کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہیئے ۔ اِسی غرض کیلئے انسان کو پیدا کیا ہے ۔ اپنی صفات کا علم دینے کیلئے وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کو تعلیم دیکر لوگوں کی طرف بھیجتا ہے تا کہ وہ نیک بن جائیں ۔ بیٹا میں تمہیں کچھ کہانیاں نبیوں کی بھی سناؤں گی تا کہ تمہیں خدا کی ہستی کا علم ہو اور اس کے معجزات اور انعامات کا بھی علم ہوجائے ۔ چلو اب پھر رات ہوگئی ہے ۔ باقی کہانی کل پر چھوڑ دیتے ہیں....

اگلے دن بیٹے نے ماں سے کہا؛ آج کون سی کہانی اُمی سنائیں گی؟ ماں نے کہا وہی بیٹا جو کل ہم بات کر رہے تھے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت اور پرستش کر کے ہمیں خدا کو خوش کرنا چاہیئے ۔ اُسی خدا سے اپنے لئے سب کچھ مانگیں اور جو کچھ ہم مانگتے ہیں اگر اُس کا دینا ہمارے حق میں اچھا ہو تو وہ دیتا ہے ۔ اُس نے تمام انسانوں کیلئے ایک جگہ بنائی ہے جس میں آرام، راحت اور خوشی کے سامان پیدا کئے ہیں ۔ اس کو جنت کہتے ہیں وہ اپنے جس بندے کے کاموں سے خوش ہوتا ہے ۔ اس کی وفات کے بعد اس کو اپنی جنت میں داخل کرتا ہے اور پھر اُسے وہاں سے کبھی نہیں نکالتا ۔ اُس نے بُرے لوگوں کے لئے بھی ایک جگہ بنائی ہے جس میں ہر قسم کے دُکھ، غم اور تکلیف دینے والے سارے سامان پیدا کئے ہیں ۔ اس کو دوزخ یا جہنم کہتے ہیں ۔ وہ جس بندہ سے اُس کے برے کاموں کی

وجہ سے ناراض ہوتا ہے اُس کو مرنے کے بعد اس میں ڈالتا ہے، ہمیشہ کیلئے نہیں بلکہ جتنے اس کے گناہ ہوتے ہیں اتنی سزا دیکر پھر بہشت میں داخل کرتا ہے۔

بچو! ہمارا خدا ہم پر اتنا مہربان ہے کہ باپ اور ماں سے بھی بڑھ کر زیادہ ہمارے آرام کا خیال رکھتا ہے۔ بچو! دیکھو یہ کہانی اُمیّ نے سنا کر اس کتاب کا آغاز کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جانو، پہچانو، دل سے اس سے محبت کرو اور اس کی عبادت کرو۔ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہوگا تو ہم جنت کے وارث بنیں گے۔ آمین۔



حضرت آدم علیہ السلام



اب آگے میں یہ بتانا چاہتی ہوں یا یوں کہہ لو کہ بچوں کے سوال کا جواب دیتی ہوں کہ ہمیں اللہ نے کیسے پیدا کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو کیسے بنایا!

بچو! بہت باتیں تو دراصل قرآن میں لکھی ہیں۔ آپ کو جب ترجمہ پڑھنے کا شوق ہو جائے گا تو سب نبیوں کی کہانیاں پڑھنے کا بڑا مزا بھی آئے گا اور علم میں بھی اضافہ ہوگا۔ آج میں آپ کو حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش یعنی ہم انسانوں کی پیدائش کے بارہ میں کچھ بتاتی ہوں۔ کیونکہ بچے جب چھوٹے ہوتے ہیں تو اُن کے سوال بھی چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ وہ اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق یہ سوال ضرور کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے انسان بنا کر حضرت حوّا کو ساتھ بنا دیا تو پھر اِن دونوں کو جنت میں کیوں نہ رہنے دیا؟ جواب تو بالکل آسان ہے۔ بچو! اللہ تعالیٰ تو انسانوں کو اپنی فرمانبرداری اور اطاعت کیلئے پیدا کر کے اپنی عبادت کی تلقین کرتا ہے مگر جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو سب فرشتوں سے کہا کہ دیکھو:

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔ (حوالہ)

میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

اس پر انہوں نے کہا کہ کیا تو ایسے شخص بھی پیدا کرے گا جو اس میں فساد کریں گے اور خون بہائیں گے۔ اور ہم تو وہ ہیں جو تیری حمد کے ساتھ ساتھ تیری تسبیح بھی کرتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

میں یقیناً وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اپنے سارے صفاتی نام بھی سکھائے اور فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ بچو سجدہ کے معنے فرمانبرداری کے بھی ہوتے ہیں۔سب فرشتوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ اے اللہ تعالیٰ میں کیوں اس کو سجدہ کروں۔ اس کو تو نے مٹی سے بنایا اور مجھے آگ سے۔تو بچو سب نے تو اللہ تعالیٰ کا حکم مان لیا اور حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا یعنی ان کی اطاعت کی، اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور فرمانبرداری اختیار کی۔مگر ابلیس بڑا ہی متکبر نکلا۔اُس نے صاف انکار کر دیا۔اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو گیا اور اِسے قیامت تک کیلئے شیطان مردود قرار دے دیا۔

بچو! آپ بھی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہہ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہو۔اسی شیطان نے پھر حضرت آدمؑ کو ورغلایا تھا۔بس اللہ میاں کے بھی تو اصول اور حکم ہوتے ہیں۔وہ عظیم ہستی ہے قادر وغیور ہے۔عالم الغیب ہے اور ہر کام میں حکمت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے دنیا بنانی تھی بنا دی اور انسانوں کو اور جنوں کو اپنی بڑائی ،عبادت اور ذکر اور شکر کرنا سکھانے کیلئے حضرت آدم علیہ السلام کو پہلا نبی بنایا۔

میں نے تو یہ باتیں مختصر سی اور سادہ زبان میں لکھ دی ہیں۔آپ قرآن کریم اور پھر اس کی تفسیر پڑھو اور ضرور پڑھو بلکہ حضرت آدمؑ کی کہانی الگ بھی کتابوں میں کئی جگہ چھپی ہوئی ہے۔اسے بھی ضرور پڑھنا۔یہ تو تھے پہلے ہمارے نبی حضرت آدم علیہ السلام۔قرآن کریم کے پہلے سپارہ میں ہی حضرت آدمؑ کی تخلیق ،جنت سے نکلنا اور شیطان کے وجود کا ذکر ہے۔وہ شیطان جو ہمیں گندے کام کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور اچھے کاموں سے روکتا ہے۔

پیارے بچو! یہ تو آپ کو پتہ چل ہی گیا ہے کہ ہم نے شیطان کو خوش نہیں کرنا بلکہ رحمان کو یعنی خدا تعالیٰ کو کرنا ہے،جس نے ہمیں پیدا کیا اور اتنی اچھی تعلیم دے کر احمدی مسلمان بنایا۔الحمدللہ۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلا سبق جو حضرت آدم علیہ السلام کو سکھایا وہ اطاعت وفرمانبرداری، عبادت اور فروتنی وانکساری کا سبق تھا، انانیت کو کچلنے کا سبق تھا اور سب سے پہلے جس خطرناک اور مہلک ترین کمزوری کا علم آدم کو دیا گیا وہ تکبر اور انانیت تھی۔ یہی بداخلاقی تمام بداخلاقیوں کو پیدا کرتی ہے۔ اس کے برخلاف اطاعت، فرمانبرداری، فروتنی وانکساری عبادت وریاضت سے ہی اخلاق عالم جنم لیتے ہیں۔

تو بچو آپ سب کو حضرت آدمؑ کا اور اُن کی پیدائش اور شیطان کے واقعہ کا بخوبی علم ہو گیا ہوگا کہ نافرمانی کا ہی خمیازہ آج تک ابلیس شیطان کی شکل میں بھگت رہا ہے وگرنہ تو وہ ایک فرشتہ ہی تھا۔



حضرت نوح علیہ السلام



بچو! آپ کو یہ تو پتہ ہی ہے کہ اللہ کے تمام نبی اپنی قوم کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوتے اور اچھی اور نیک باتوں اور فرمانبرداری کا سبق دیتے ہیں۔ ہمیں خدا تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیتے ہیں۔ مگر جب کوئی قوم اپنے خدا کے بھیجے ہوئے نیک بندے کی بات نہ مانے جس کو خدا نے اس کام کیلئے بھیجا ہوتو پھر وہ ناراض ہوجاتا ہے اور سزا بھی دیتا ہے۔ آپ کو حضرت نوحؑ کا نام سن کر بارش کے طوفان اور کشتی میں سوار ہونے کا جو قرآن کریم میں ذکر ہے وہ پورا واقعہ ضرور یاد آجاتا ہوگا۔ حضرت نوحؑ کی قوم کے لوگ آپ علیہ السلام کی تبلیغ کے جواب میں آپ کا مذاق اُڑاتے اور کہتے کہ تو تو پاگل اور دیوانہ ہے۔ کبھی کہتے جو تھوڑی بہت کامیابی تجھے ملی ہے یہ جنون کی وجہ سے ہے۔ کبھی آپ علیہ السلام کی پیار بھری نصیحتوں کے جواب میں کہتے تو چالاک ہے ہم سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے تا کہ لوگ تیرے گرد جمع ہو جائیں اور تو ہمارے اُوپر حکومت کرے، ہم اس کو برداشت نہیں کریں گے۔ حضرت نوح علیہ السلام انہیں جواب دیتے کہ اگر تم یہ سوچتے ہو کہ میں نبی بن کر تم پر کوئی حکومت کرنا چاہتا ہوں تو یہ کیسی حکومت ہے کہ تمہیں جو تعلیم دیتا ہوں تم سے زیادہ خود اِس پر عمل کرتا ہوں۔ بادشاہ تو اپنی ذات پر کوئی پابندی نہیں لگاتے ہر کام وہ اپنی مرضی کرتے ہیں۔ کوئی ان کو نہیں پوچھ سکتا۔ لیکن میں جو کچھ تمہیں کرنے کو کہتا ہوں پہلے خود اس پر پوری طرح عمل کرتا ہوں پھر تمہیں کرنے کو کہتا ہوں۔ اگر تم کو عبادت کرنے کو کہتا ہوں تو خود سب سے زیادہ عبادت کرتا ہوں۔ تمہیں دوسروں کے حق دینے کو کہتا ہوں تو خود سب سے زیادہ سب کے حق ادا کرتا ہوں۔ تمہیں سچ بولنے کیلئے کہتا ہوں تو

خود سب سے زیادہ سچ بولتا ہوں۔

بچو پھر کیا ہوا کہ اللہ میاں ان لوگوں سے ناراض ہوگیا۔ اُس نے بارش برسانی بند کردی۔ کھیتیاں سوکھ گئیں، باغ اُجڑ گئے۔ لوگ پریشان ہونے لگے۔ حضرت نوح ؑ کو تو علم ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے غصے اور ناراضگی کا اظہار کررہا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی قوم کے لوگوں کو چپکے چپکے سمجھاتے کیونکہ بعض اپنی جھوٹی عزت کی وجہ سے سب کے سامنے بات سننی پسند نہیں کرتے تھے اس لئے تنہائی میں انہیں سمجھاتے۔ اس کے علاوہ جہاں کہیں لوگ جمع ہوتے وہاں بھی ان سے کہتے کہ تم اب بھی توبہ کرلو تو خدا تعالیٰ تم کو معاف کرے گا۔ دیکھو وہ تم سے ناراض ہے اس لئے کافی عرصہ سے بارش نہیں ہوئی اور قحط پڑ رہا ہے۔ میں خدا کا نبی ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے میری بات مان لو وگرنہ اللہ کا عذاب تم لوگوں کو گھیر لے گا پھر نہ پچھتانا، مگر کسی نے ایک نہ سُنی۔ پھر کیا ہونا تھا! باوجود نیک اور اچھی باتیں بتانے کے نہ تو اُن کے دِل نرم ہوئے اور نہ ہی انہوں نے اس پر غور کیا، بلکہ اُلٹا کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے اور سروں پر کپڑا لپیٹ لیتے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی نیکی کی اور ہدایت کی باتیں اُن کے کانوں میں نہ آئیں۔ پھر یہ بھی کہنا شروع کردیا کہ نوح نے بتوں کو بھی ناراض کیا ہے اور بتوں نے اس پر پھٹکار ڈالی ہے جس کے نتیجہ میں نوح کا ایک بیٹا اور بیوی بھی کافروں کے ساتھ مل گئے ہیں۔ الغرض یہ لوگ حضرت نوح ؑ کی باتوں کا مذاق اڑاتے اور ان پر ہنستے تھے۔ حضرت نوح ؑ نے اللہ تعالیٰ سے دردِ دِل سے یہ دعا کی کہ اے اللہ! میری قوم نے مجھے جھٹلا یا دیا ہے:

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ○ (سورۃ القمر آیت ۱۱)

اے میرے خدا میرے دشمنوں نے مجھے مغلوب کرلیا۔ پس تو اُن سے میرا بدلہ لے۔

حضرت نوح ؑ نے یہ دُعا بھی کی کہ:

اے میرے خدا! زمین پر کافروں کا کوئی گھر باقی نہ چھوڑ۔ اور اگر تو ان کو اِسی طرح چھوڑ

دے گا تو یہ تیرے دوسرے بندوں کو بھی گمراہ کر دیں گے اور اُن کے یہاں تو صرف نافرمان گنہگار اور انکار کرنے والے بچے ہی پیدا ہوں گے

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضرت نوحؑ اور ان کے ساتھی کشتی بنانے لگے۔ جب اُن کی قوم کے بڑے بڑے سردار اور بڑے بڑے لوگ ان کے پاس سے گزرتے تو وہ حضرت نوحؑ پر ہنستے کہ تم جو یہ کشتی بنا رہے ہو کیا اسے پہاڑوں پر چلاؤ گے یا ریت پر یہاں دریا تو کوئی نہیں جس میں کشتی چلے۔ حضرت نوحؑ ان کے مذاق اڑانے پر ان کیلئے دعا فرماتے۔

بچو! پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ سے فرمایا کہ جب عذاب کا حکم آجائے اور چشمے بہہ نکلیں اس وقت تم کشتی میں اپنے ساتھ ہر قسم کے جانوروں اور پرندوں کا ایک ایک جوڑا لے لینا اور اپنے اپنے اہل و عیال کو لے لینا۔ سوائے اس کے جس کی ہلاکت اور بربادی کا قطعی حکم اس عذاب کے آنے سے پہلے ہی ہم دے چکے ہیں اور اُن لوگوں کو بھی اپنے ساتھ اس کشتی میں بٹھا لینا جو تم پر ایمان لائے ہیں۔ اگرچہ وہ تعداد میں تھوڑے سے ہیں اور جب کشتی چلنے لگے تو تم سب دعا کرنا:

بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖىهَا وَمُرۡسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّىۡ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝ (سورہ ھود: ۴۲)

بچو یہ وہی دُعا ہے جو ہم سب کسی بھی سفر کے لئے روانہ ہوتے وقت پڑھتے ہیں۔ آپ بھی یاد کر لو، یہ دعا بڑی برکتیں لاتی ہے۔ یہ دعا آپ بچے ہمیشہ سفر پر روانہ ہونے سے پہلے ضرور پڑھا کرو۔

بچو! اللہ تعالیٰ بھی کبھی کبھی اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے۔ بچو پھر پتہ ہے کیا ہوا! تیز بارشوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا اور سیلاب آ گیا۔ پہاڑی علاقہ تھا، پہاڑوں کی برف پگھلی اور اس پانی نے زمین میں چھپے ہوئے چشمے بھی جاری کر دیئے۔ یہ پانی بہت تیزی سے بڑھا۔ آتش فشاں پہاڑ بھی پھوٹ پڑے۔ اللہ تعالیٰ کو تو سب طاقتیں ہیں نا بچو اور پھر اللہ تعالیٰ ناراض ہو تو ایسا ہی عذاب آتا ہے اور پھر قوم کی اصلاح کیلئے کوئی راستہ باقی نہیں رہتا۔ ہر طرف پانی ہی پانی، لوگ

اُونچی سے اُونچی جگہ پر جاتے مگر وہاں بھی ڈوب جاتے اور مرتے جاتے۔ گویا قیامت کا سا سماں ہو گیا مگر حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے چند لوگوں کو تو اللہ کے حکم سے حضرت نوح ؑ نے اپنی کافی بڑی کشتی میں بٹھا لیا تھا۔ آپؑ کے اہل وعیال بھی بات مان کر کشتی میں سوار ہو گئے۔ پانی تیزی سے اُونچا ہو رہا تھا اور کشتی تیز تیز جا رہی تھی اور پانی کی سطح کے ساتھ ساتھ محفوظ اور بلند ہوتی جاتی تھی۔ اسی دوران حضرت نوح علیہ السلام کو ان کا بیٹا پانی میں ڈبکیاں کھاتا ہوا نظر آیا۔ آپؑ نے اس کو آواز دی کہ تو کشتی میں آجا۔ اُس نے کہا کہ نہیں میں اُس چوٹی پر پہنچ کر محفوظ ہو جاؤں گا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی بھی آپؑ پر ایمان نہ لائی تھی۔ حضرت نوحؑ نے بیٹے کو جواب میں کہا کہ بیٹے آج کوئی محفوظ نہیں سوائے اس کے جس کو خدا محفوظ کرے۔ اتنے میں پانی کی ایک تیز لہر آئی اور حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا ڈوبنے لگا۔ یہ دیکھ کر باپ کی محبت نے جوش مارا اور حضرت نوح ؑ نے اللہ میاں کو اُس کے وعدے کا واسطہ دے کر کہا اللہ میاں تو نے تو وعدہ کیا تھا کہ میرے اہل وعیال کو بچائے گا۔ یہ تو میرا بیٹا ہے اور میرے اہل میں شامل ہے، اس کو بچا لے۔ اللہ میاں نے جواب دیا کہ چونکہ وہ تیرے اُوپر ایمان نہیں لایا اس لئے وہ تیرے اہل اور گھر میں سے نہیں ہے۔ تو جس چیز کی اچھائی یا برائی کو نہیں جانتا وہ چیز مجھ سے نہ مانگ۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں جیسی باتیں کرنے والوں میں سے نہ ہو جا۔

اللہ میاں کا مقصد سزا کے طور پر ساری نافرمان قوم کو تباہ کرنا تھا۔ سب کے مکان وغیرہ پہاڑوں پر ہی تھے اس لئے اللہ نے اتنی زیادہ بارش برسائی جو ختم ہونے میں ہی نہ آتی تھی۔ مگر یہ نیک لوگوں کی کشتی ایک جُودی نام کے پہاڑ پر جا کر رُک گئی اور پانی خشک ہونا شروع ہو گیا۔ آسمان اور زمین نظر آنے لگے۔ حضرت نوح ؑ نے مختلف پرندوں کو اڑایا جو وہ کشتی میں ساتھ لائے تھے۔ سب سے آخر میں کبوتری کو چھوڑا جو زیتون کی تازہ پتی اپنی چونچ میں لائی۔ حضرت نوح علیہ السلام کو اندازہ ہو گیا کہ اب خدا تعالیٰ کا فضل ہونے کو ہے۔ زیتون کی پتی کے ذریعے دراصل حضرت

نوحؑ کو ایک پاکباز مومن جماعت کی خوشخبری دی گئی تھی کیونکہ حضرت نوحؑ نے بھی تو اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کی تھی کہ ہماری کشتی کو کسی ایسی جگہ ٹھہرا جو ہمارے لئے مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی سب دُعائیں قبول کیں اور کشتی کو عراق کے ایک پہاڑ 'جودی' پر روک دیا اور اِس طرح سے حضرت نوح علیہ السلام کے ماننے والوں کو اتنی برکت دی کہ اُن کی قوم خوب پھلی پھولی۔ الحمدللہ۔

بچو یہ بھی یاد رکھنا کہ حضرت نوح علیہ السلام عراق کے علاقہ میں تھے۔ یہ کہانی تو بہت ہی لمبی ہے۔ آپ بچے خود قرآنِ کریم پڑھو اور سمجھو تو بڑا ہی مزا آئے گا۔ ایمان کی مضبوطی بھی حاصل ہوگی اور بڑی برکتیں ملیں گی۔ انشاءاللہ۔



حضرت یونس علیہ السلام



بچو! حضرت یونس علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی تھے مگر جیسا کہ ہر نبی کی مخالفت ہوتی ہے، لوگ اس کو جادوگر اور جاسوس وغیرہ کا نام دیتے ہیں اور جھٹلاتے ہیں۔ ہر نبی کی تعلیم کو جو وہ خدا تعالیٰ سے حاصل لا کر سب کو سکھاتا ہے اور ایک اچھا انسان بنانا چاہتا ہے، اس کے مخالفین اس تعلیم سے دور بھاگتے ہیں اور برا بھلا کہتے ہیں۔ ایسا ہی حضرت یونس علیہ السلام کے ساتھ بھی ہوا اور جیسا کہ قدیم سے سنت اللہ، ہے بالآخر کامیابی اور فتح خدا کے نیک اور برگزیدہ بندوں کی ہی ہوا کرتی ہے۔

سو بچو! حضرت یونس علیہ السلام کے بارہ میں مَیں آپ کو کچھ بتاتی ہوں کہ آپ گاتھ ہیپر نام کے ایک شہر میں پیدا ہوئے۔ اُس وقت یریعام بادشاہ کا زمانہ تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو خدا کی طرف سے ''نینوا'' جانے کا حکم ہوا۔ 'نینوا' ایک بہت مخالفت کرنے والوں کا علاقہ تھا اور ایک بڑا شرارتی شہر تھا۔ آپؑ نینوا والوں کیلئے عذاب کی پیشگوئی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام چاہتے تھے کہ نینوا والے توبہ کرلیں تو عذاب سے بچ جائیں گے۔ بچو ایسے ہی ہوتا آیا ہے کہ قومیں نشانات مانگتی ہیں اور پھر بھی جھٹلاتی ہیں اس لئے حضرت یونس علیہ السلام نے بجائے نینوا جانے کے تراشیش (ایک علاقے کا نام ہے) کی طرف جانے والے جہاز میں سوار ہونا پسند کیا۔ راستے میں سمندر میں طوفان آ گیا اور جہاز کو آ گھیرا۔ اس پر ملاحوں نے اپنے دیوتاؤں سے دعائیں کیں مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اس زمانہ میں جہاز یا کشتی میں سفر کرتے ہوئے اگر طوفان آجاتا تو

لوگ اپنا زادِراہ اور کچھ تجارتی سامان جو ساتھ رکھا ہوتا تھا، سمندر میں پھینک دیا کرتے تھے کہ کشتی یا جہاز ہلکا ہو جائے اور طوفان کی زد میں نہ آئے اور جانیں بچ جائیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا مگر سامان گرانے سے کوئی فرق نہ پڑا اور خطرہ نہ ٹلا۔ اس پر انہوں نے قرعہ ڈالا کہ پتہ چلے کہ کس کی وجہ سے طوفان ٹل نہیں رہا ہے۔ ہم میں سے کسی کا بوجھ کم کرنا ہوگا اور جس کا نام قرعہ اندازی میں نکلے گا اُس کو سمندر میں جانے کیلئے کہا جائے گا کہ کسی ایک کی جان جانے سے باقی سب کی جانیں بچ جائیں۔

بچو! جان کس کو پیاری نہیں ہوتی۔ سب نے یہ بات تو مان لی اور ڈرے ڈرے قرعہ کی پرچیاں اُٹھانے کی ہمت کی۔ مگر خدا کی قدرت اور اس مالک و خالق خدا کی بنائی ہوئی تدبیر کہ حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا کہ اِس کا وجود بھاری ہے یا اللہ کی مرضی ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے پاس جہاز والے لوگ جب تمام حالات پوچھنے آئے کہ کہاں سے آئے ہو اور کہاں جانا ہے تو آپؑ نے صاف صاف کہہ دیا کہ میں نینوا جانے کی بجائے اس طرف نکل آیا ہوں۔ مگر شاید خدا کو میری بات پسند نہیں۔ مجھے سمندر میں پھینک دو، میں راضی ہوں۔ خدا کی ناراضگی لینا مجھے منظور نہیں۔ چنانچہ کشتی والوں نے آپؑ کو پانی میں پھینک دیا اور طوفان تھم گیا۔

پیارے بچو! دیکھو اُسی لمحہ خدا نے ایک مچھلی کو حکم دیا کہ وہ حضرت یونس علیہ السلام کو نگل لے سو ایسا ہی ہوا۔ پتہ ہے بچو! وہیل مچھلی کتنی بڑی ہوتی ہے اور خدا نے اپنی حفاظت فرما کر حضرت یونس علیہ السلام کو زندہ سالم ہی نگلنے پر مجبور کیا تھا۔ اس طرح حضرت یونس علیہ السلام تین دن اور تین راتیں مچھلی کے پیٹ میں رہے اور دعائیں کرتے رہے اور جب شدید گھبراہٹ ہوئی تو اس وقت اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرتے ہوئے عرض کی:

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ (الانبیاء ۸۸)

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں سن لیں اور مچھلی کو سمندر کے کنارے پر یعنی خشکی پر آ کر حضرت

یونس علیہ السلام کو اُگل دینے پر مجبور کیا۔ اور مچھلی نے قے کرکے آپؑ کو زمین پر گرا دیا۔ بچو! ظاہر ہے کہ اس وقت حضرت یونسؑ کی حالت کمزور اور نڈھال ہوگی۔ تین رات دن بغیر کھائے پیئے اور بغیر سوئے۔ بے چینی اور بیقراری میں گزارنے کے بعد آپ کی حالت بہت ہی خراب ہوچکی تھی۔ آپؑ کے جسم پر مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی وجہ سے پھپھولے پڑ گئے تھے۔ تب اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے علاج کی خاطر اس جگہ ایک کدو کی بیل اُگائی جس میں سے آپؑ نے کھایا اور بفضلہٖ تعالیٰ آپؑ شفا پا گئے۔ جب اللہ نے آپؑ کی طاقت بحال کی تو آپؑ کو دوبارہ نینوا کی طرف ہی بھجوایا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہاں جا کر آپؑ نے تبلیغ کی اور اپنی تبلیغ میں کامیاب ہوئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اظہار کیا کہ جس شخص کو خدا اپنا پیغامبر بناتا ہے وہ اپنے آپ کو خواہ کتنا بھی کمزور خیال کرے اور خواہ دنیا کے لوگ اُسے کتنا ہی حقیر سمجھیں، اللہ تعالیٰ یہ طاقت رکھتا ہے کہ اپنے پیغمبر کو کامیاب کرے اور اُسے لوگوں میں مقبول کرے۔

یہ ہے حضرت یونس علیہ السلام کا اصل نشان جو نینوا والوں کو دکھایا گیا۔ چونکہ نینوا والوں نے تو خود اپنی آنکھوں سے حضرت یونسؑ کو مچھلی کو نگلتے ہوئے نہ دیکھا تھا اور جب وہ مچھلی کے پیٹ میں تین دن زندہ رہے تب بھی نہ دیکھا اور پھر مچھلی نے ان کو زندہ اُگل دیا تو بھی نہ دیکھا تھا مگر جب حضرت یونس واپس نینوا والوں کے پاس دوبارہ گئے اور انہوں نے دیکھا کہ یہ وہی شخص ہے جو ڈر کر بھاگ گیا مگر پھر خدا تعالیٰ اُسے دوبارہ واپس لایا ہے اور جس جگہ کے متعلق یہ سمجھتا تھا کہ وہاں مجھے کامیابی نہ ہوگی وہیں اللہ تعالیٰ نے اُسے کامیابی عطا فرمائی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور اُس کی طاقتوں کا ایک بہت بڑا نشان بن گیا، جو انہوں نے دیکھا۔

اس کہانی کی اکثر باتیں تفسیر کبیر سے اخذ کرکے بچوں کی سمجھ کے مطابق آسان کرکے میں نے لکھ دی ہیں۔ پس بچو! یاد رکھو کہ خدا کو سب طاقت ہے اور وہ خدا جو چاہے کرسکتا ہے۔ اس کے سب پیارے نبی اپنا پیغام پہنچانے میں ضرور کامیاب ہوتے ہیں۔ ۞

حضرت یوسف علیہ السلام



بچو! آج جو کہانی میں آپ کو سنانے جارہی ہوں یہ ہمارے پیارے نبی حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے جن کی سیرت اور صورت بھی بڑی پیاری تھی۔ آپؑ کو اللہ تعالیٰ نے تعبیر الرویاء کا علم بھی عطا فرمایا تھا جس کا ذکر خاص طور پر قرآن کریم میں سورۃ یوسف میں بھی آتا ہے۔ حضرت یوسفؑ بہت چھوٹے ہی تھے کہ آپؑ نے ایک خواب دیکھا اور اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کو بتایا کہ:

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ○ (سورۃ یوسف:5)

''جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ میں نے گیارہ ستاروں کو اور چاند کو رؤیا میں دیکھا ہے کہ وہ مجھے سجدہ کررہے ہیں۔''

یہ رؤیا سن کر حضرت یعقوبؑ نے کہا اے میرے پیارے بیٹے! اپنی یہ رؤیا اپنے بھائیوں کے پاس نہ بیان کرنا ورنہ وہ ضرور تیرے متعلق کوئی (مخالفانہ) تدبیر کریں گے۔ شیطان انسان کا یقیناً کھلا کھلا دشمن ہے اور جیسا کہ تو نے دیکھا ہے۔ تیرا رب تجھے برگزیدہ کرے گا اور الٰہی باتوں کا علم تجھے بخشے گا اور تجھ پر اور یعقوب کی حقیقی آل پر اِس طرح اپنے انعام کو پورا کرے گا جیسا کہ اُس نے اس سے پہلے تیرے دو بزرگوں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحاقؑ پر پورا کیا تھا۔ تیرا رب یقیناً بہت جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

حضرت یعقوبؑ کے دوسرے بیٹوں کو شروع سے ہی یہ لگتا تھا کہ ہمارے باپ کو یوسف اور اس کا بھائی بن یامین ہم ۹ بھائیوں سے زیادہ پیارے ہیں۔اس لئے ان کو قتل کر دو تو قصہ پاک ہو جائے۔ایک بھائی نے مشورہ دیا کہ قتل نہ کرو بلکہ اسے کسی اور شہر میں چھوڑ آؤ تا کہ باپ ہم سب کو قصوروار نہ سمجھے۔کسی نے مشورہ دیا کہ کسی کنوئیں میں پھینک دو اور جب کوئی قافلہ سفر کرتے ہوئے اُدھر سے گزرے گا تو اُسے اُٹھا لے جائے گا۔اس طرح یوسف زندہ بھی رہے گا اور چلا بھی جائے گا۔اس تجویز سے سب متفق ہو گئے۔

اگلے دن سب نے ملکر اپنے باپ کو منایا کہ ابّا ہم کل باہر کھیل کودنے کیلئے جا رہے ہیں۔آپ ہمارے بھائی یوسف کو بھی ہمارے ساتھ بھجوا دیں۔چھوٹا ہے، کھلی فضا میں کھیلے گا اور خوش رہے گا۔ ہم اس کا خیال رکھیں گے۔آپ ہرگز فکر نہ کریں۔حضرت یعقوب علیہ السلام کو ان کی چالا کیوں کا خوف تھا۔کہنے لگے کہ یہ چھوٹا بچہ ہے تم سب اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ رہے ہو گے اور کوئی بھیڑیا اُس کو کھا نہ جائے، بے چارہ کہاں بھاگے گا۔سب بھائیوں نے بڑا اصرار کر کے اور یقین دلا کر کہا کہ ابا آپ ہم پر اعتبار کیوں نہیں کرتے ؟۔آخر یوسف بھی تو ہمارا پیارا بھائی ہے ہم اس کا خیال رکھیں گے۔

مگر وہی ہوا جس کا ڈر باپ کو تھا۔اِن چالاک اور ہوشیار بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کو ایک کنویں میں پھینک دیا اور واپس لوٹ کر اُنہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ہم جا کر کھیلنے کودنے لگے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس بٹھا دیا تھا۔ ایک بھیڑیا اُسے کھا گیا اور کسی جانور کو ذبح کر کے اس کے خون میں حضرت یوسفؑ کا کرتہ لت پت کر کے دِکھا دیا۔ساتھ میں روتے بھی جاتے تھے اور اس طرح اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کی پوری کوشش کی۔مگر بچو اللہ نے بھی اپنے پیارے نبی کیلئے ایک حفاظت کا پروگرام بنایا ہوا تھا۔تھوڑے ہی وقت کے بعد اُس جنگل کے اُس علاقے سے ایک قافلہ گزرا اور کنواں دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا کہ یہیں پڑاؤ ڈال دیں

پانی کنویں سے ملے گا۔ جونہی کنویں سے پانی نکالنے کیلئے ڈول ڈالنے والے نے ڈول ڈالا تو کنویں میں ایک خوبصورت ترین بچہ دیکھ کر سب کو بتایا کہ دیکھو مجھے یہ لڑکا ملا ہے۔ یہ ایک خوشخبری ہے۔ جب برادرانِ یوسف کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے اور بالکل معمولی رقم لیکر انہوں نے یوسف ؑ کو انہیں بیچ دیا یعنی اپنے ملک سے نکالنے کیلئے فروخت کر دیا ورنہ روپیہ کی لالچ اس بارہ میں کوئی نہ تھی۔ وہ قافلہ والے مصر کے باشندے تھے۔ جس شخص نے خریدا اُس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس لڑکے کو باعزت طور پر گھر میں رکھو۔ ہوسکتا ہے کہ ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنالیں کیونکہ اس کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف ؑ کو عزت کا مقام دیا۔

جب حضرت یوسف ؑ نہایت خوبصورت نوجوان شہزادے کی طرح اپنی جوانی کو پہنچ گئے تو جس عورت کے گھر آپ نے پرورش پائی تھی اس نے آپ سے ایک ناجائز فعل کروانا چاہا مگر حضرت یوسف ؑ نے صاف انکار کر دیا۔ مگر اُس عورت نے آپ پر بُرے فعل کا الزام لگا دیا اور اپنے خاوند کو کہا کہ ایسے شخص کو کیا سزا دی جائے جس نے تیرے اہل کے ساتھ برائی کا ادارہ کیا ہو۔ یعنی اس کو سزا دی جانی چاہئے۔

بچو! اللہ تعالیٰ بھی اپنے نیک بندوں کی حفاظت اور نیکی کو پھیلانے کیلئے کیسے کیسے سامان کرتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نیک سیرت خدا کے برگزیدہ انسان تھے۔ آپ ؑ نے اس کا گھر چھوڑ کر بطور سزا جیل کی سلاخوں میں رہنا پسند کر لیا۔ یہ حضرت یوسف ؑ کی دعا کا نتیجہ تھا کہ کم سے کم مدّت کیلئے آپ ؑ کو قید خانے میں بند کر دیا گیا۔

دیکھو بچو! اللہ تعالیٰ کیسے کیسے تدبیریں کر کے اپنے پاکباز بندوں کی سچائی اور رہائی کے سامان فرماتا ہے۔ پھر کیا ہوا کہ اُسی قید خانہ میں دو اور نوجوان بھی قید میں تھے۔ اُن میں سے ایک نے حضرت یوسف ؑ کی نیکی اور ذہانت کو بھانپ لیا اور اپنی ایک خواب کی تعبیر پوچھی کہ میں خواب میں

انگور نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اُٹھائے ہوئے ہوں جن میں سے پرندے کھا رہے ہیں۔ان دونوں نے کہا کہ آپ ہمیں اس کی حقیقت سے آگاہ کریں۔ہم یقیناً آپ کو نیکو کاروں میں سے سمجھتے ہیں۔حضرت یوسفؑ نے کہا کہ میں آپ کو چند ایسی باتیں بتاتا ہوں جن سے تمہارے ایمان میں تازگی پیدا ہوگی اور تمہیں روحانیت کا علم ہوگا۔ ایک خدا کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور بتوں کی پرستش نہ کرو۔اور اے میرے قید کے ساتھیو اب تم اپنی اپنی خواب کی تعبیر سنو۔تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور دوسرے کو سولی دے کر مارا جائے گا۔پھر پرندے وغیرہ اس کے سر پر سے گوشت وغیرہ کھا جائیں گے اور جس امر کے متعلق تم پوچھ رہے ہو اس کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔

جو قیدی رہا کیا جانے والا تھا اس کو یاد ہی نہ رہا کہ حضرت یوسفؑ نے تو اُس قیدی سے کہا تھا کہ اپنے آقا سے میری بھی رہائی کی بات کرنا۔یہ بھی عجیب معاملہ ہوا کہ وہ بھول گیا یا اُسے خیال ہی نہ آیا اس لئے حضرت یوسفؑ کو کئی سال قید میں رہنا پڑا۔بچو! اب اُدھر بوڑھے حضرت یعقوب علیہ السلام رو رو کر دعائیں کرتے رہے اور کہا کرتے تھے کہ میرا یوسف زندہ ہے حالانکہ اُن کے لڑکوں نے کہا تھا کہ اب آپ بھول جائیں، یوسف کو تو بھیڑیے نے کھا لیا ہے۔آپ کیوں رو رو کر بیمار پڑ گئے ہیں مگر ان کو یعنی حضرت یعقوبؑ کو اللہ پر یقین تھا اور حضرت یوسفؑ کے خواب پر بھی اُمید تھی کہ میرا بیٹا یوسف زندہ ہے اور ضرور مجھے ملے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کیلئے انتظام اور حفاظت بھی خود فرماتا ہے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مصر کے بادشاہ نے ایک خواب دیکھا کہ سات دُبلی گائیں سات موٹی گائیوں کو کھا رہی ہیں اور سات بالیاں سبز ہیں اور سات خشک یا بوسیدہ۔اس بادشاہ نے اپنے درباریوں سے کہا کہ اگر تم میں سے کوئی اس خواب کی تعبیر جانتا ہے تو مجھے بتائے۔اُن درباریوں نے کہا کہ یہ تو پراگندہ خوابیں ہیں۔ اُن دونوں قیدیوں میں سے جو نجات پا گیا تھا اس کو اچانک یاد آیا کہ حضرت یوسفؑ ہمارے ساتھ

قید میں تھے اور خواب کی یہ تعبیر بتائی تھی جو سچی نکلی تھی۔اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں اس کی تعبیر بتاؤں گا پس تم مجھے بھیجو۔ پس وہ یوسف کے پاس آیا اور یوسف سے کہا کہ اے صدیق ہمیں ان سات موٹی گائیوں کے متعلق بتاؤ جنہیں سات دُبلی گائیں کھا رہی ہوں۔ نیز سات سبز بالیوں اور چند خشک بالیوں کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر بتا۔اس نے کہا تم سات برس مسلسل کاشت کرو گے۔ پس جو کچھ تم کاٹو اس میں سوائے تھوڑے سے حصہ کے باقی ان کی بالیوں میں ہی رہنے دینا۔ پھر اس کے بعد سات تنگی کے سال آئیں گے وہ اس سارے غلہ کو جو تم نے جمع کر چھوڑا ہوگا کھا جائیں گے۔ پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں کی فریاد سُنی جائے گی اور وہ خوشحال ہو جائیں گے۔

یہ اللہ تعالیٰ کا ہی ایک معجزہ تھا کہ حضرت یوسف ؑ کو لمبی قید کے بعد اسی ملک کے با اختیار عہدہ پر مقرر کر دیا۔ پیارے بچو! یہ ہوتے ہیں اللہ کے کام۔ پھر کیا ہوا کہ اِسی سال قحط پڑا اور حضرت یوسفؑ کے سارے بھائی بادشاہ کے خزانوں سے (غلہ) اناج لینے آئے۔حضرت یوسفؑ ان سب کو دیکھ کر پہچان گئے مگر وہ نہ پہچان سکے دراصل وہ سب تو حضرت یوسف علیہ السلام کو ایسی پوزیشن میں سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ جب وہ غلہ لے کر واپس جانے لگے تو حضرت یوسفؑ نے ان سے کہا کہ اپنے باپ کی طرف سے اپنے بھائیوں کو میرے پاس لاؤ۔اور اگر تم اسے نہیں لاؤ گے تو تمہیں کوئی غلہ نہیں ملے گا۔

بچو! یہ سب پروگرام اور تدبیر تو اللہ تعالیٰ نے ہی بنائی تھی مگر کسی کو پتہ نہ تھا۔جب سب کو اکٹھا بھجوانے کیلئے حضرت یعقوب علیہ السلام مان گئے تو ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ بیٹو تم سب ایک ہی دروازے سے نہ داخل ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور جب سب داخل ہو گئے اور حضرت یوسفؑ کے سامنے حاضر ہوئے تو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائی کو اپنے پاس بٹھا لیا اور اس کو یعنی ''بن یامین'' کو بتایا کہ میں ہی تمہارا مفقود بھائی ہوں۔حضرت

یوسف علیہ السلام نے ناپ کرنے والا کٹورا جو پانی پینے کے کام بھی آتا ہے، اپنے بھائی کے بورے میں رکھوا دیا اور ایک کارندے نے یہ شور مچا دیا کہ ہمارا ناپ والا پیالہ چوری ہو گیا ہے اور جو اس ناپ والے پیالے کو ڈھونڈ لائے گا اس کو ایک اونٹ کے وزن کے برابر غلہ کی صورت میں انعام بھی دیا جائے گا۔سب بھائیوں نے کہا کہ اللہ کی قسم تم تو جانتے ہو کہ ہم یہاں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہی ہم چور ہیں۔کارندوں نے کہا کہ اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے تو اس کی کیا سزا ہوگی۔حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا کہ جس شخص کے پاس وہ برتن ملے اس کو ہی سزا دی جائے گی۔ پھر یوں ہوا کہ اس اعلان کرنے والے نے تلاش شروع کی اور بالآخر بن یامین کے بورے میں سے وہ برتن مل گیا۔اس پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے نہایت بے شرمی سے کہا کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے قبل اس کے بھائی (یوسف) نے بھی چوری کی تھی۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ تم لوگ بڑے بدبخت ہو اور جو تم کہتے ہو اللہ اُسے بہتر جانتا ہے۔اس پر انہوں نے کہا کہ اے سردار اس کا ایک بہت بوڑھا باپ ہے۔اس لئے اسے چھوڑ دیں اور ہم میں سے کسی ایک کو اسکے بجائے پکڑ لیں۔اس نے کہا کہ ہم تو اُسی کو پکڑیں گے جس کے پاس سے سامان نکلا ہے اگر ہم ایسا نہ کریں تو یہ تو ظلم ہوگا۔

جب وہ نا اُمید ہو گئے تو اُن میں سے بڑے نے کہا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تم نے اپنے باپ سے عہد لیا ہوا ہے اور یوسف کے متعلق بھی اس سے پہلے تم کوتاہی کر چکے ہو۔اس لئے میں تو اب یہاں سے نہیں جاؤں گا۔تم لوگ جاؤ اور اپنے باپ سے کہو کہ تمہارے بیٹے نے چوری کی ہے جس کی گواہی قافلے والے بھی دے سکتے ہیں۔

پھر سب بیٹوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ بات بتائی اور کہا کہ یقین جانیں کہ ہم سچ بول رہے ہیں۔حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ بات دراصل یہ ہے کہ تمہارے نفسوں نے تمہیں کوئی بات خوبصورت کر کے دکھائی ہے۔پس میں صبر کر سکتا ہوں۔ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن

سب کو میرے پاس لے آئے۔

بچو حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ کو اب تک نہیں بھولے تھے بلکہ ان کے زندہ ہونے کی خدا تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے امید لگائے بیٹھے تھے اور اب جبکہ ان کا دوسرا بیٹا بھی اُن سے دور ہو چکا تھا وہ غم سے بے قرار ہو گئے اور انہوں نے کہا ہائے افسوس میرا یوسف! اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

بیٹوں نے کہا کہ ابا جان! خدا کی قسم اب تو آپ ضرور یوسف کا ذکر کرتے کرتے بیمار ہو جائیں گے یا کہیں آپ ہلاک ہی نہ ہو جائیں۔ حضرت یعقوبؑ نے کہا کہ میں تو اپنے اس غم کی خدا کے حضور فریاد کرتا ہوں اور میں وہ علم رکھتا ہوں جو تم نہیں رکھتے۔ اس لئے اے میرے بیٹو جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔

تو بچو! باپ کے حکم پر وہ پھر حضرت یوسفؑ کے سامنے حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ اے سردار! ہم اس وقت بہت تنگی کے حالات سے گذر رہے ہیں۔ مہربانی کر کے ہمیں غلہ عنایت فرمائیں اور کچھ صدقہ وخیرات بھی کریں۔

حضرت یوسفؑ نے کہا کہ کیا تمہیں یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ بچو! معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک وہ سب بھائی یوسفؑ کو پہچان چکے تھے۔ ڈرتے ڈرتے کہنے لگے کہ کہیں آپ ہی یوسف تو نہیں۔ آپؑ نے کہا کہ ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے اور حق یہی ہے کہ جو تقویٰ اور صبر اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔

انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم اللہ نے آپ کو ہم پر بڑی فضیلت دی ہے اور ہم اقرار کرتے ہیں کہ بے شک ہم خطا کار تھے۔

بچو! یہ وہ موقعہ تھا جب حضرت یوسفؑ اپنے ساتھ ہونے والے ظلم کا بدلہ لے سکتے تھے لیکن

پتہ ہے انہوں نے کیا کیا۔ انہوں نے اپنے سب بھائیوں کو معاف کر دیا۔ اس جگہ ضمناً یہ بھی عرض کر دوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جو سب نبیوں سے اعلیٰ و افضل تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی ایک نمونہ دکھایا تھا جو کہ آپ ؐ کی طرح شان میں حضرت یوسفؑ کے واقعہ سے بھی اعلیٰ و افضل تھا۔

بچو! واقعہ دراصل یہ ہے کہ جب مکہ فتح ہوا اور آنحضرتؐ ۱۰ ہزار قدوسیوں کے ساتھ فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن تمام دشمنوں کو معاف کر دیا جنہوں نے آپؐ پر مسلسل ۱۳ سال تک ظلم کیا۔ یہاں تک کہ حضرت ہمزہؓ کا کلیجہ چبانے والی ہندہ کو بھی معاف کر دیا۔ یہ وہ سلوک تھا جو بہر حال حضرت یوسفؑ سے مرتبہ میں لاکھوں درجہ افضل و اعلیٰ تھا۔

تو بچو! اس کے بعد حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ جاؤ اور میرا یہ کرتہ لے جاؤ اور میرے باپ کو جا کر دکھاؤ۔ وہ ساری حقیقت جان جائیں گے اور تم اپنے سارے کنبے کو بھی اپنے ساتھ لانا۔ اللہ کی قدرت کہ جب یہ قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو حضرت یعقوبؑ نے کہا کہ مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے۔ اُس شخص نے جو کُرتہ ساتھ لایا تھا آپؑ کے سامنے رکھ دیا تو آپ ساری بات سمجھ گئے اور کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم پا کر یقیناً وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اس پر حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ہم خطا کار ہیں آپ ہمارے لئے خدا سے معافی مانگیں اور جب سب حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچے تو آپؑ استقبال کیلئے باہر جا کر ان سے ملے اور اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور وہ سب خدا کا شکر کرتے ہوئے سجدہ میں گر گئے۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے باپ سے کہا کہ یہ میری پہلے سے دیکھی ہوئی خواب کی تعبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پورا کر دیا ہے اور اس نے مجھ پر بہت فضل کر دیا ہے۔ اس خدا نے مجھے قید خانہ سے نکالا اور مجھے اس عزت کے مقام پر پہنچایا۔ وہ جنگل کے علاقہ سے نکال کر اس وقت مجھے یہاں لایا جب شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں بگاڑ پیدا کر دیا تھا۔ مگر میرا خدا جس سے چاہتا ہے لطف و احسان کا معاملہ کرتا ہے۔ اور یقیناً وہی ہے جو خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اے اللہ

تعالیٰ تو نے مجھے حکومت کا ایک حصہ بھی عطا کیا ہے اور تعبیر الرؤیا کا بھی علم تو نے مجھے بخشا ہے۔ اور پھر حضرت یوسفؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے خدا تو ہمیشہ میرا ساتھ دینا اور مددگار ہونا۔آمین۔

بچو یہ تھی مختصر کہانی حضرت یوسف علیہ السلام کی جو میں نے مختصر کر کے قرآن سے پڑھ کر اور اپنی یاداشت سے جو یاد تھی آپ کیلئے لکھی ہے۔کہانی تو بڑی لمبی ہے جو امی جان مرحومہ نے مجھے تین راتوں میں پوری سنائی تھی۔میں سنتے سنتے سو جاتی تھی اور اگلی صبح پھر یاد کرتی کہ رات کو کیا قصہ سنا تھا۔جب رات آتی تو پھر دوبارہ کہانی سننے کا مطالبہ کرتی اور پھر سے ایمان افروز واقعات سنتے سنتے گہری نیند سو جاتی۔مگر بچو یاد رہے کہ ہماری اُمی جان ہم سے پچھلی سُنی ہوئی کہانی، واقعہ یا قصہ یا نظم ضرور اگلے دن سنتیں تا کہ پتہ چلے کہ ہم غور سے سنتے اور یاد بھی رکھتے ہیں اور ساتھ ہی ان اچھی کہانیوں کے اچھے کاموں پر عمل کرنے کی تلقین کرتیں۔صبر، دعائیں اور خدا تعالیٰ پر توکل کی تلقین بہت کرتی تھیں۔



حضرت لقمان علیہ السلام



حضرت لقمان علیہ السلام ایک بڑے دانا حکیم ہوگزرے ہیں۔ کہتے ہیں آپؑ کا رنگ کالا تھا۔ کپڑے بھی سادہ پہنتے تھے۔ایک دفعہ کہیں جا رہے تھے کہ ایک امیر یہودی سے آمنا سامنا ہوگیا۔ یہودی کا ایک غلام اُنہی دنوں کہیں بھاگا تھا۔ اُس نے حضرت لقمانؑ کو ہی اپنا غلام سمجھا۔ لپک کر پکڑا، ساتھ لایا اور مکان بنانے پر لگا دیا۔ یہ بے چارے سال بھر کام کرتے رہے۔ جب مکان بن کر تیار ہوگیا تو اتفاق سے اصل غلام بھی مل گیا۔ اس پر وہ بہت شرمندہ ہوا۔ اور لقمان سے معافی مانگی کہ:

''مجھ سے جو کچھ قصور ہوا، ناسمجھی سے ہوا۔ خدا کیلئے معاف کر دیجئے''۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے جواب دیا:

''میں نے سال بھر تک جو محنت کی اور اذیت جھیلی وہ تمہارے معافی مانگنے سے پل بھر میں دُور تو نہ ہوگی۔ لیکن میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ ایک تو تمہارا کام ہوگیا۔ دوسرے مجھے کوئی نقصان نہیں ہوا۔ بلکہ میں نے گھر بنانا سیکھ لیا ہے۔ نیز مجھے اپنی گرفتاری سے ایک اور بھی فائدہ ہوا ہے۔ میں نے محنت مزدوری کی تکلیف جھیلی ہے۔ اس لئے آئندہ اپنے نوکروں کے ساتھ سختی کا برتاؤ نہیں کروں گا۔ کیونکہ مجھے اپنی تکلیف ہمیشہ یاد آتی رہے گی''۔



حضرت ابراہیم علیہ السلام



بچو! آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارہ پڑھا یا سنا بھی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جہاں اور نبیوں کا ذکر فرمایا ہے وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر بھی نہایت پیارے بندوں میں فرمایا ہے۔ سورہ مریم میں آیت نمبر ۵۹ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۫ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرٰهِيمَ وَإِسْرَآءِيلَ ۫ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۩ ﴿۵۹﴾

''یہ سب کے سب وہ لوگ تھے جن پر خدا تعالیٰ نے نبیوں میں سے انعام کیا تھا ان نبیوں میں سے جو آدم کی اولاد میں سے تھے اور جو ان لوگوں کی اولاد تھے جن کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ کشتی میں بچایا اور ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کی اولاد تھے اور ان لوگوں میں سے تھے جن کو ہم نے ہدایت دی تھی اور اپنے لئے منتخب کر لیا جب اُن کے اوپر خدائے رحمٰن کا کلام پڑھا جاتا تھا تو وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے زمین پر گر جاتے تھے۔''

حضرت ابراہیمؑ چونکہ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يٰٓأَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿۴۳﴾ (سورۃ مریم آیت 43)

ترجمہ: جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ! تو کیوں اُن

چیزوں کی پرستش کرتا ہے جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ تیری کسی تکلیف کو دور کرنے پر قادر ہیں۔ (سورۃ مریم آیت ۴۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے عرض کہ اے میرے باپ میں ڈرتا ہوں کہ آپ خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے کسی عذاب میں نہ مبتلا ہو جائیں۔اس طرح باپ بیٹے میں تنازعہ ہو گیا۔ان کی تبلیغ کا کوئی اثر نہ ہوا۔وہ لوگ بت پرست اور ستاروں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ کو، جن کا نام آذر تھا، خدا کے وجود کی موجودگی کا احساس دلانے کیلئے کئی ثبوت مہیا کرنے کی کوشش کی۔مثلاً حضرت ابراہیمؑ کے علم میں اضافہ کیلئے اللہ تعالیٰ پر یقین کامل کیلئے نشانات دکھائے۔ وہ اس طرح کہ رات کے وقت جب ایک ستارہ چمکتا ہوا نظر آیا تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ یہ میرا رب ہوسکتا ہے لیکن جب صبح ہوئی اور ستارہ نظر نہ آیا تو انہوں نے کہا کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔اس کے بعد چاند چمکتا ہوا نظر آیا جو کہ ستارے سے زیادہ بڑا اور چمکتا ہوا تھا تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ ہاں یہ میرا رب یعنی میرا پیدا کرنے والا ہوسکتا ہے۔مگر جب وہ بھی غائب ہو گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ اگر میرا خدا مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں ضرور گمراہوں کی جماعت میں سے ہوتا۔اور پھر جب دن کو سورج نکلا اور اپنی شکل میں ستاروں اور چاند سے بڑا اور روشن بھی تھا تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ ہاں یہ تو ضرور میرا رب ہوسکتا ہے۔لیکن جب وہ بھی غائب ہو گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ جسے تم خدا کا شریک بناتے ہو یعنی جسے خدا مان کر اُس کی عبادت کرتے ہو میں ان سے بالکل بیزار ہوں۔

پیارے بچو! دراصل یہ حضرت ابراہیمؑ کا اپنی قوم کو سمجھانے کا ایک انداز تھا چونکہ اُن کی قوم ان کی بات نہ مانتی تھی کہ ایک خدا جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اس کی ہی عبادت کریں۔ چاند، ستارے اور سورج یہ سب تو دائمی نہیں۔ان کو بھی بنانے والی ان سے بالاتر ایک ہستی ہے یعنی خدا ہے اس کی عبادت کرو مگر جب قوم نے نہ مانا اور بت پرستی اور شرک نہ چھوڑا تو ابراہیم نے کہا کہ خدا

کی قسم !اب میں تمہارے بتوں کے خلاف تدبیر کروں گا۔ پھر انہوں نے ان کے بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا سوائے اُن میں سے سب سے بڑے کے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ہمارے معبودوں کے ساتھ ایسا کس نے کیا۔ کسی نے کہا ہم نے ابراہیم کو اس بارے میں بات کرتے ہوئے سنا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو بلایا گیا اور ان سے پوچھا کہ بتاؤ تم نے ہمارے معبودوں کے ساتھ ایسا کیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ بہر حال کسی نے تو یہ کام کیا ہے۔ سب سے بڑا بُت یہ کھڑا ہے۔ اسی سے پوچھ لو۔ انہوں نے کہا کہ تو تو جانتا ہے کہ یہ بولتے نہیں۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ کیا تم ایسے وجودوں کی عبادت کرتے ہو جو نہ کوئی فائدہ دیتا ہے نہ نقصان۔ افسوس ہے تم پر۔

پھر بچو! انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اگر تم اپنے بتوں کے حق میں کچھ کرنا چاہتے تو ابراہیم کو جلا دو۔ تب انہوں نے ایک آگ جلائی اور حضرت ابراہیمؑ کو اس میں ڈالا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فوراً اس آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔

بچو جیسا کہ آپ سب کو علم ہے کہ حضرت ابراہیمؑ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گئے تھے مگر آپ کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔ آپ اللہ تعالیٰ سے نیک اولاد کی دعائیں کیا کرتے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ تھا اور آپ اس لئے مایوس نہ ہوا کرتے تھے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاؤں کو سنا اور ایک فرشتے نے حضرت ہاجرہؑ کو بشارت دی کہ خدا تعالیٰ آپ کو ایک بیٹا دے گا اور اس کا نام اسماعیل رکھنا۔ اسماعیل کے معنے ہیں خدا نے سن لی۔ بچو یاد رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں تھیں۔ ایک حضرت سارہ جو اُن کی رشتہ دار تھیں اور دوسری حضرت ہاجرہ جو شاہِ مصر کی بیٹی تھیں (ارض القرآن جلد ۲ صفحہ ۴۱) اور تیسری بیوی کا نام حضرت قطورہ تھا۔ جب حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے تو حضرت سارہ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ ان ماں بیٹا کو گھر سے نکال دیں۔ قدرتی امر تھا کہ بڑھاپے میں اتنی دعاؤں کے بعد پیدا ہونے والا بچہ گھر سے نکالنا آسان نہیں ہوتا۔

حضرت ابراہیمؑ بہت افسردہ ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی اور کہا کہ پریشان نہ ہو جیسا کہتی ہے ویسا ہی کرو۔ مجھے ہاجرہ کے فرزند سے ایک قوم کو بنانا ہے۔ بچو! آپ کو پتہ ہی ہوگا کہ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے ہمارے نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے۔ آپؐ کے بزرگوں کی کیا شان تھی کہ باپ خدا کا نبی، ماں مصر کی شہزادی اور بیٹا بھی نبی جو دعاؤں کے طفیل بشارتوں اور پیشگوئیوں کے ساتھ پیدا ہونے والا بابرکت وجود تھا۔

حضرت ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ہاجرہ اور ننھے اسماعیلؑ کو ساتھ لیکر خدا کے بتائے ہوئے راستے پر نکل پڑے اور میلوں میل چلنے کے بعد جب آپ عرب کے علاقے حجاز کے اندر مکہ کی وادی میں پہنچے تو ان کو یقین ہو گیا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں خدا تعالیٰ نے ان کو چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔ اس وقت وہ جگہ ایک بے آب و گیاہ اور ویران جگہ تھی جہاں نہ پانی تھا نہ گھاس نہ پیڑ پودے۔ انسان کے زندہ رہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑے حوصلے اور ہمت کے ساتھ ان کو وہاں چھوڑا۔ کھانے کیلئے ایک تھیلا کھجوروں کا اور پینے کیلئے پانی کا مشکیزہ پاس رکھ کر واپسی کیلئے مڑے۔ حضرت ہاجرہ نے پوچھا آپ ہمیں یہاں اکیلے جنگل میں چھوڑ کر کیوں جا رہے ہیں مگر حضرت ابراہیمؑ نے کوئی جواب نہ دیا۔ آخر پیچھے بھاگتے ہوئے حضرت ہاجرہ نے پھر پوچھا جواب تو دیں کیا خدا نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ نے پیچھے مُڑ کر دیکھا اور ہاتھ کے اشارہ سے آسمان کی طرف انگلی اُٹھا دی۔ حضرت ہاجرہ اس پر فوراً سمجھ گئیں اور کہنے لگیں کہ وہ خدا ہمیں کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ وہ بھی توکل کرنے والی بہت نیک قربانی کرنے والی خاتون تھیں۔ واپس آ کر حضرت اسماعیلؑ کے پاس بیٹھ گئیں۔ قرآن مجید نے حضرت ابراہیمؑ کی اس وقت کی دردمندانہ دعا کو سورہ ابراہیم میں یوں محفوظ کیا کہ:

رَبَّنَآ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـِٕدَۃً مِّنَ النَّاسِ

تَهْوِيٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ۝۳۸

ترجمہ: ''اے ہمارے رب میں نے اپنی نسل کے ایک حصہ کو اس بنجر اور غیر آباد وادی میں تیرے عزت والے گھر کے پاس بسایا ہے۔ اے میرے ربّ میں نے یہ کام اس لئے کیا ہے کہ وہ تیری عبادت کریں اور تیرے لئے اُن کی زندگی وقف ہو۔ تو لوگوں کے دل اُن کی طرف جھکا دے اور اُن کو اچھے اچھے پھلوں سے رزق دے تا کہ وہ تیرے شکرگزار رہوں''۔

پیارے بچو! اب یہ کہ کھانے پینے کا سامان تو بہت تھوڑے عرصہ میں ختم ہو گیا۔ اس ننھے بچے کو پیاس لگی حضرت حاجرہؑ پریشان ہو گئیں۔ اِدھر اُدھر پانی تلاش کیا۔ پانی ہوتا تو ملتا۔ پھر یہ ہوا کہ جیسے جیسے بچے کی پیاس بڑھ رہی تھی ویسے ویسے حضرت ہاجرہ کی بیقراری میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ آخر ننھے اسماعیل کی حالت خراب ہونے لگی تو وہ تڑپ اُٹھیں اور بے ساختہ آسمان کی طرف منہ کر کے رو پڑیں۔ گویا خدا سے فریاد کر رہی تھیں کہ اے خدا! میرے شوہر تو تیرے حکم سے ہمیں اکیلا چھوڑ گئے مگر تو ہمیں اکیلا نہ چھوڑنا اور اپنے فضل سے پانی کا انتظام فرما۔ پھر پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھاگیں۔ بھاگتے ہوئے کبھی صفا کی پہاڑی پر چڑھ جاتیں، کبھی اُتر کر بچے کو آ کر دیکھتیں کہ کوئی جنگلی جانور نہ نقصان پہنچائے اور پھر بے قرار ہو کر مروہ کی پہاڑی پر چڑھ جاتیں اور دور دور تک نظر دوڑاتیں کہ کہیں پانی نظر آ جائے یا کوئی قافلہ اِدھر سے گزرتا ہوا نظر آ جائے تو ان سے پانی لیکر اپنے معصوم بچے کی پیاس بجھائیں۔ کھانا تو پہلے ہی ختم ہو چکا تھا۔ جب آپ پانی کیلئے ادھر اُدھر بھاگ رہی تھیں تو دونوں پہاڑیوں کے درمیان آپ نے سات چکر لگائے۔ بچو یہ وہی پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان حج اور عمرہ کے وقت ہم سب سات چکر لگاتے ہیں۔ دوڑ دوڑ کر حضرت ہاجرہؑ تھک گئی تھیں کہ آخری چکر پر ان کو ایک آواز آئی:

''اے ہاجرہ! خدا نے تیری اور تیرے بچے کی سن لی''

حضرت حاجرہؑ کی وہ دُعا جو وہ رو رو کر کر رہی تھیں:

''خدایا ہمیں یعنی مجھے اور میرے بیٹے کو کسی آزمائش میں نہ ڈالنا، ہمیں تیری رضا کی خاطر یہاں چھوڑا گیا ہے تو ہی ہماری مدد کرنے والا اور پریشانیوں کو دور کرنے والا ہے''۔

جب آ کر انہوں نے حضرت اسماعیلؑ کو دیکھا تو جہاں آپؑ روتے ہوئے پاؤں زمین پر رگڑ رہے تھے، وہاں کی زمین گیلی تھی۔ انہوں نے جلدی جلدی ہاتھوں سے مٹی ہٹائی تو پانی چشمہ کی شکل میں پھوٹ پھوٹ کر نکل پڑا۔ جلدی سے بچے کو پلایا اور خود بھی پیا اور خدا کا شکر ادا کرنے لگیں اور خدا کے اس انعام پر حیران رہ گئیں۔ بار باراُس جگہ، جہاں سے پانی نکلا تھا، آپ کی نظر جاتی۔ جہاں کچھ دیر پہلے کچھ بھی نہ تھا اب ایک چشمہ پھوٹ پڑا تھا۔ بے ساختہ آپ کے منہ سے نکلا'' زم زم''، یعنی ٹھہر ٹھہر اور انہی الفاظ پر اس مقدس چشمہ کا نام ''زم زم'' پڑ گیا۔

دیکھا بچو! کیسی ہمارے پیاروں اور بزرگوں کی کہانیاں ہیں جو آپ کو پتہ ہونی چاہئیں۔ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی ایک عظیم قربانی ہے اللہ تعالیٰ اس طرح اپنے برگزیدہ بندوں کی حفاظت کرتا اور قربانی قبول کرتا ہے اور ساری دنیا کے لئے ایک نمونہ بناتا ہے۔ اِس طرح اس بچے اسماعیل کیلئے خدا نے پانی کا انتظام تو کر دیا مگر اس کی پرورش کیلئے خوراک بھی ضروری تھی۔ اللہ کا کرنا کیا ہوا کہ یمن کا ایک قبیلہ جو شام کی طرف جا رہا تھا راستہ بھول گیا۔ یہ راستہ بھولنے کا واقعہ مکہ کے قریب ہوا قبیلہ وہیں ٹھہر گیا۔ ایک دن پانی کا ایک پرندہ اُڑتے ہوئے دیکھا تو حیران رہ گئے کہ صحرا میں پانی کے پرندوں کا کیا کام؟ اُن کے سردار نے کہا کہ ہم تو اس علاقہ سے کئی بار پہلے گزر چکے ہیں یہاں پانی تو نہیں تھا مگر خدا کی قدرت کہ آج یہ پانی کا پرندہ اُڑتا پھر رہا ہے۔ جب وہ قبیلہ والے اُس چشمہ کے پاس پہنچے اور وہاں حضرت حاجرہ اور چھوٹے بچے حضرت اسماعیلؑ کو پایا تو قبیلہ کے دِل میں حضرت حاجرہؓ کے لئے انتہائی احترام کے جذبات اُبھرے اور

انھوں نے اس پاک عورت کی قربانی، رحم دلی اور نیکی پر یہ اجازت چاہی کہ کیا ہم یہاں پڑاؤ ڈال دیں۔ آپ نے اللہ کا انعام سمجھتے ہوئے کہ اس سے تنہائی بھی دور ہو جائے گی اور ان کا بھی بھلا ہو گا، بخوشی اجازت دے دی۔ اِس طرح سے اور بھی قافلے اِدھر کو آنے لگے اور اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی بہترین چیزوں کا انتظام ماں بیٹے حضرت حاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کے لئے کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی میں صحرا میں پانی جیسی نعمت کا یہ چشمہ اُن کی ملکیت میں دے کر مکہ کی بادشاہت رہتی دنیا تک عطا فرما دی۔ پانی کی فراوانی سے اِرد گرد سبزہ اور بستی کی بڑھتی ہوئی آبادی سے رونق اور تعلیم کا کام بھی ہونے لگا۔ حضرت اسماعیل کی پرورش قبیلہ کے افراد میں ہوئی۔ وہ آپؑ کی معصوم اداؤں اور نیکیوں سے بہت متأثر تھے۔ حضرت اسماعیلؑ کی زبان عبرانی تھی لیکن اس قبیلہ میں رہنے کی وجہ سے آپؑ نے عربی بھی سیکھ لی اور اس طرح مکہ میں عربی زبان بولی جانے لگی۔

مکہ کو جو حقیقی برکت نصیب ہوئی وہ خانہ کعبہ کی وجہ سے تھی۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَيۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىۡ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ‌ۚ‏﴿۹۷﴾

''یقینا پہلا گھر جو بنی نوع انسان (کے فائدے) کیلئے بنایا گیا ہے وہ ہے جو بکہ میں ہے۔ (وہ) مبارک اور باعث ہدایت بنایا گیا تمام جہانوں کیلئے۔

(آل عمران: 97)

بچو! اس پیارے معصوم بچے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید امتحان اور رہتی دنیا تک قائم رہنے والی سعادت ملنا مقصود تھی۔ حضرت اسماعیلؑ جب تقریباً تیرہ سال کے ہوئے تو وہ مشہور واقعہ ہوا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے قربان کرنا چاہا اور خدا تعالیٰ نے یہ کہہ کر روک دیا کہ اے ابراہیم تو تو پہلے ہی اپنی رویاء کو پورا کر چکا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے اس وقت حضرت اسماعیلؑ کی جگہ ایک مینڈھا قربان کر دیا۔

بچو! یہ بات اللہ تعالیٰ نے (سورۃ الصّٰفّٰت) میں بیان فرمائی ہے آپ خود سارا واقعہ پڑھو گے تو مزا آئے گا۔ حج کے موقع پر جو قربانی دی جاتی ہے اور عید الاضحیٰ پر جو قربانی ہم کرتے ہیں دراصل اسی کی یاد میں لاکھوں مسلمان یہ قربانیاں کرتے ہیں۔ جن چھوٹے بچوں کو اس واقعہ کا علم نہیں ہے ان کی امی بتادیں گی کہ کس طرح حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کے حکم سے اپنے بیٹے کو کہا کہ میں کیا کروں۔ مجھے خدا نے تجھے ذبح کرنے کو کہا ہے۔ نیک اور سعادت مند بچے نے کہا کہ ابا آپ بالکل نہ گھبرائیں۔ چھری لیں اور میری گردن پر پھیر دیں اللہ کا حکم ہے ہرگز نہ ڈریں۔ آپ یقیناً مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ سو آپؑ نے ایسا ہی کیا مگر اللہ تعالیٰ کو بھی ایسے پیارے بندے پیارے ہوتے ہیں جو فرمانبرداری اور اطاعت میں نمبر ایک پر تیار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی ان کے لئے اپنی غیرت دکھاتا ہے۔ سبحان اللہ۔ ذرا سوچو تو سہی۔ تصور ہی کرو کہ کبھی ایسا کرنے کا اللہ حکم دے تو ہم کیا کریں گے۔ ظاہر ہے کہ ہم ضرور گھبرائیں گے اور شاید گھر سے بھاگ جائیں مگر اللہ کے نیک بندے کبھی خدائی امتحانوں سے نہیں گھبراتے بلکہ خوشی سے ہر قربانی کیلئے تیار ہوتے ہیں۔ سو خدا تعالیٰ نے اِس قربانی کو قبول کرلیا اور رہتی دنیا تک اسے نمونہ بنا دیا۔ ہر سال اس قربانی کی یاد میں عید الاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی کی جاتی ہے اور دعائیں کی جاتی ہیں۔ حضرت اسماعیلؑ کی شادی قبیلہ جرہم کے سردار مفاض بن عمرو کی بیٹی سے ہوئی۔ خدا تعالیٰ نے ان کو بارہ بیٹے عطا کئے۔ ان کی نسل بفضلہٖ تعالیٰ اتنی پھیلی کہ ان کے بیٹوں کے ناموں پر قبیلوں کے نام رکھے گئے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام مکہ کے پہلے بادشاہ تھے اور خانہ کعبہ کے پہلے متولی تھے۔ چشمہ زمزم کے مالک تھے۔ مکہ ان کی وجہ سے آباد ہوا۔ پھر ان کی زندگی میں ہی ان کی اولاد نے بہت ترقی کی۔ جو قافلے پانی پینے کی وجہ سے مکہ آتے تھے وہ حضرت اسماعیلؑ اور اُن کی اولاد کو مقدس گھر کا طواف کرتے دیکھتے تھے تو وہ بھی ایسا ہی کرتے تھے اور اپنی پریشانیوں اور مشکلات سے

بچنے کیلئے دعائیں کرتے تھے اور وہ مقبول ہو جاتی تھیں جس کی وجہ سے خانہ کعبہ کی شہرت پھیلنے لگی۔ اس طرح مکہ ایک عالمی طور پر شہرت یافتہ شہر بن گیا۔

تو بچو یہ تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کہانی۔ میں نے تو مختصر کر کے لکھی ہے آپ کی اُمی مزید تفصیل سے سنائیں گی۔ انشاءاللہ۔



حضرت موسیٰ علیہ السلام



بچو! جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہی ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خدا کے نیک بندے، رسول اور نبی تھے۔ قرآن کریم میں اُن کا بار بار ذکر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو منتخب کیا۔ اصلاح اور ہدایت کیلئے اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو چُن کر بھیجتا ہے۔ پھر اُن پر آزمائش اور مشکلات بھی آتی ہیں اور خدا نشانات بھی ظاہر فرماتا ہے کہ لوگ سمجھ جائیں کہ اس بندے کو میں نے ہی بھیجا ہے۔ اس کی باتیں سنو، مانو اور عمل کرو۔ مگر ہر قوم اور ہر نسل نبیوں کو جھٹلاتی، مذاق کرتی اور ان کو تکالیف پہنچاتی آئی ہے مگر خدا تعالیٰ اپنے پیاروں کی سچائی لوگوں پر ظاہر کر دیتا ہے۔

حضرت موسیٰ ؑ مصر کے ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اُس وقت مصر میں فرعون بادشاہ کی حکومت تھی جو بڑا ظالم اور جابر مشہور تھا۔ بنی اسرائیل کی قوم اس کے ظلم سے تنگ آچکی تھی۔ ایسے وقت میں فرعون وہاں رہنے والے لوگوں کے ایک گروہ سے، جو بڑا قابل اور لائق تھا، ڈرنے لگا کہ میرے بعد کہیں ان میں سے کوئی بادشاہت پر نہ قابض ہو جائے۔ اس نے حکم دیا کہ اب کسی بھی نوزائیدہ بچے کو زندہ نہ رکھا جائے بلکہ پیدا ہوتے ہی مار دیا جائے۔ دیکھو بچو! کتنا ظالمانہ طریق اختیار کروایا۔ لوگ لڑکوں کی پیدائش پر خوش ہونے کی بجائے عربوں کے جہالت کے زمانہ کی طرح جس میں وہ بیٹی کی پیدائش پر افسوس کرتے اور اسے زندہ درگور کر دیتے تھے، اسی طرح افسوس کرنے لگے کہ اب یہ لڑکا فرعون کے کارندوں کے ذریعہ مارا جائے گا۔ اس عرصہ میں خدا تعالیٰ نے یہ چاہا کہ جن لوگوں کو اس بادشاہ یعنی فرعون نے کمزور سمجھ رکھا ہے ان پر اللہ تعالیٰ کا

فضل ہوا اور وہ اِس پر سردار بن جائیں اور اُس کی ساری نعمتوں کے وارث بن جائیں۔

بس پھر جیسا کہ بچو اللہ تعالیٰ کو سب قدرت حاصل ہے اور وہ جو چاہتا ہے اور ہمیشہ اچھا ہی چاہتا ہے اپنے بندوں کیلئے وہ کر دکھاتا ہے۔ صرف ''کن'' ہی تو کہتا ہے اور وہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے تو اُن کی والدہ گھبرائیں کہ اب کیا ہوگا؟ اب تو اِس لڑکے کو زندہ رکھنا ناممکن ہے۔ ہم ظالم بادشاہ کے دور میں سے گزر رہے ہیں جو اس بچہ کو زندہ درگور کروا دے گا۔ ماں نے اپنی بیٹی سے مشورہ کیا کہ کیا کریں۔ ایک تجویز اللہ تعالیٰ نے اُن کے ذہنوں میں ڈالی کہ کہ ایک چھوٹے سے پنگھوڑے یا ٹوکری میں اس معصوم ننھے بچے کو ڈال دیا۔ پھر بیٹی سے کہا کہ سے دریائے فرات میں بہا دو۔ مگر میری بیٹی نظر رکھنا اور ساتھ ساتھ چلتی چلی جانا کہ کون اس بچے کو یعنی تیرے بھائی کو لے جاتا ہے اور کہاں لے جاتا ہے؟ بہن کو بھی بھائی سے بہت پیار تھا۔ اُسے بھی یہ تجویز ٹھیک لگی کہ بھائی جہاں بھی رہے گا زندہ تو رہے گا۔ میں اپنے بھائی کو زندہ رکھنے کیلئے کچھ بھی کروں گی۔ چنانچہ وہ منہ اندھیرے اُٹھی اور اپنے بھائی کو ایک ٹوکرے میں رکھا۔ ٹوکرے کو اچھی طرح سے محفوظ کیا اور اسے دریائے فرات کے حوالے کر دیا۔ خود ساتھ ساتھ دریا کے کنارے چلتی رہی۔ اللہ کی شان دیکھئے کہ فرعون کے ہی خادموں نے اس انوکھے ٹوکرے کو پانی میں بہتے دیکھا اور آگے بڑھ کر پکڑ لائے اور فرعون کے محل میں پہنچا دیا۔ فرعون نے دیکھا کہ ننھا بچہ انگوٹھا چوس رہا ہے اس کو خوراک کی اور ماں کی ضرورت ہے۔ مگر کیا کرتا غصے نے جوش مارا کہ نہیں نہیں اس کو مار دو۔ ہوسکتا ہے کہ یہ بچہ ہی میرا جانشین بن جائے۔ اس کو ہرگز زندہ نہیں رکھنا چاہیئے یہ کس کا ہے اور کیوں ایسے چھوڑا گیا ہے؟ سارے شہر میں ڈھنڈورا پیٹا گیا مگر کسی کو بھی علم نہ ہوسکا کہ یہ کس کا بچہ ہے اور اِسے کیوں پانی میں بہا دیا گیا ہے۔ محل میں اس بات کا چرچا ہو گیا۔ ملکہ بھی دیکھنے آئی۔ ملکہ نے کہا کہ ہمارا ابھی تو کوئی بیٹا نہیں۔ شاید خدا نے ہمارے گھر اس کو پہنچایا ہے۔ کیوں نہ ہم اس کو پالیں۔ اس بچے کو نہ ماریں زندہ رہنے دیں۔ میں اس کی پرورش اپنے محل میں کروں گی۔ بادشاہ

نے ملکہ کی طرف غصے کی نظر سے دیکھا اور کہا کہ تم کہیں اس عورت کو تو نہیں جانتی جس نے یہ بچہ جنا ہے۔ اُس نے کہا ہرگز نہیں بادشاہ نے تھوڑی دیر غور کیا اور اپنا فیصلہ بدل دیا۔

پیارے بچو! آپ تو جانتے ہیں اور سمجھ گئے ہوں گے کہ دراصل یہ فیصلہ تو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کیا تھا کہ حضرت موسیٰؑ کی پرورش نہایت شاندار طریقے سے بادشاہ کے گھر میں اس کے ہاتھوں ہوگی۔ مگر اب ایک اور مسئلہ کھڑا ہوا کہ بچہ بھوک سے چلانے لگا۔ محل میں شور برپا ہوگیا اور شہر میں اعلان کروایا گیا کہ کوئی آیا چاہیئے جو نوزائدہ بچے کو دُودھ پلائے اس عورت کو ہم گرانقدر رقم دیں گے اور رہائش کا انتظام بھی ساتھ کریں گے۔ سارا دِن گزر گیا۔ بچہ پانی پر کب تک رہ سکتا تھا دونوں ملکہ اور بادشاہ بھی گھبرائے گھبرائے سے تھے کہ اچانک ایک غریب لڑکی ان کے پاس آئی جو کہ حضرت موسیٰؑ کی حقیقی بہن تھی۔ اُس نے کہا کہ مجھے ایک عورت کا پتہ ہے جو بہت غریب ہے مگر نیک ہے۔ وہ اس بچے کو دُودھ پلائے گی تو یہ بچہ ضرور دودھ پی لے گا۔ جبکہ بچہ نے دوسری بے شمار عورتوں کا دودھ پینے سے انکار کر دیا تھا جو صبح سے آ رہی تھیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام تھا اور ایسے ہی ہونا تھا جیسا خدا چاہتا تھا۔ حضرت موسیٰؑ کی حقیقی والدہ کے آتے ہی آپؑ نے اُن کا دُودھ پینا شروع کر دیا سب بہت خوش ہوئے اور اسطرح آپ کی پرورش اِسی محل میں والدہ کے دودھ پر ہوئی۔ فرعون آپؑ سے بہت پیار اور محبت کرتا تھا مگر جیسا کہ بچے اکثر اپنے ابو کی داڑھی سے بھی کھیلتے ہیں، حضرت موسیٰ بھی فرعون کی گود میں داڑھی سے کھیل رہے تھے کہ اسے اُن پر غصہ آیا اور اپنی بیوی سے کہنے لگا کہ مجھے شک ہوتا ہے کہ کہیں یہ وہی تو نہیں جو میرا جانی دشمن ہو کر مجھ پر مسلط ہو جائے گا۔ بیوی نے کہا نہیں نہیں کتنا پیارا بیٹا ہے ایسا شک بھی نہ کریں، بچے تو ایسے کھیلتے ہی ہیں۔ کبھی ماں کے بالوں سے اور کبھی باپ کی ڈاڑھی سے۔

بچو! چونکہ حضرت موسیٰؑ اپنی جوانی میں نہایت امن پسند اور رحمدل واقع ہوئے تھے۔ کسی سے لڑائی جھگڑا آپ کو ہرگز پسند نہ تھا۔ حضرت موسیٰؑ خدا کے برگزیدہ، نڈر اور بہادر نبی تھے۔ آپ

کی ساری عبادات اور عادات خدا تعالیٰ کی تعلیم کے مطابق تھیں۔ جس قوم میں حضرت موسیٰؑ پیدا ہوئے تھے وہ فرعون کی غلام تھی اور فرعون ان پر ظلم کر رہا تھا۔ ایک دن جب حضرت موسیٰؑ کسی کام سے باہر نکلے تو دیکھا کہ ان کی قوم کا ایک آدمی فرعون کے کسی کارندے سے لڑ رہا ہے۔ اس نے حضرت موسیٰؑ کو اپنی مدد کیلئے بلایا۔ آپؑ اس کی مدد کیلئے آگئے اور کارندے کو ایک مکا مارا جس سے اس کی موت ہوگئی۔ اگلے دن پھر وہی آدمی کسی دوسرے سے جھگڑ رہا تھا اس نے پھر حضرت موسیٰؑ کو جو اتفاقاً وہاں سے گزر رہے تھے، اپنی مدد کیلئے بلایا۔ اس حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم محض ایک ظالم شخص ہو اور فساد پھیلانا چاہتے ہو اور آپؑ اس کی مدد سے رک گئے اور کہا کہ تم نے تو مجھے گمراہ کر دینا تھا۔ اسی اثنا میں آپ کو اللہ کے حکم سے کسی شخص نے آکر بتا دیا کہ آپ کو اس ملک کے رؤسا یعنی اُمراء مار دینا چاہتے ہیں۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں تم اس شہر سے نکل جاؤ۔ اس پر حضرت موسیٰ مدین شہر کی طرف چل پڑے۔ راستے میں آپ نے یہ دعا کی:

قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٢﴾

کہ اے میرے رب! مجھے ظالم قوم سے نجات دے۔ (سورۃ القصص:٢٢)

یہ آپ کی ہجرت تھی مدین کی طرف۔ یہاں آپ کی شرافت اور نیکی مشہور ہوگئی۔

جب آپ مدین کے ایک چشمہ پر پہنچے تو وہاں بہت بھیڑ تھی۔ دو عورتیں اپنے جانوروں کو لے کر ایک طرف کھڑی تھیں۔ آپ نے اُن سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے جانوروں کو پانی پلانا ہے۔ مگر یہاں بہت سارے دوسرے لوگ بھی چشمہ سے پانی پلا رہے ہیں۔ یہ ہٹ جائیں گے تو ہم آگے ہو کر پانی لیں گی۔ ہمارا باپ بوڑھا ہے اس لئے ہمارے ساتھ نہیں آسکا۔ اس موقع پر حضرت موسیٰؑ نے ان لڑکیوں کی مدد کی۔ اُن کے لئے جانوروں کو پانی پلا دیا۔ یہ واقعہ انہوں نے اپنے باپ کو بتایا تو وہ کہنے لگا کہ وہ کون شخص تھا جس میں اسقدر نیکی اور حیا تھی اور ہمدردی بھی۔ باپ نے حضرت موسیٰؑ کو ملازمت پر رکھ لیا اور شرافت اور امانتدار ہونے کی

وجہ سے اسقدر پسند کیا کہ ایک بیٹی سے آپؑ کی شادی کرنا منظور کرلیا۔ مقررہ مدت وہاں گزارنے کے بعد جب حضرت موسیٰؑ اپنی اہلیہ کولیکر واپس ہوئے تو ایک پہاڑ پر روشنی یعنی تجلی دیکھی تو اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ جس کی تعبیر انہوں نے یہ کی کہ مجھ پر وحی الٰہی نازل ہونے والی ہے (سورہ نمل) چونکہ آپؑ سمجھتے تھے کہ یہ کشفی نظارہ ہے۔ جب آپؑ وہاں گئے تو معلوم ہوا کہ وہ تو الٰہی نور تھا جسے حضرت موسیٰؑ دیکھ نہ پائے۔ پھر رسی یا سونٹے کا سانپ بن جانا، عصائے موسیٰ جو ایک کشفی شکل میں تھا۔ یہ سب نظارے خدا کی ذات کو انسان کے قریب کرتے تھے نہ کہ واقعہ میں خدا تھے مگر ان کی مخالفت بہت بڑھتی گئی۔ فرعون کی قوم نے نافرمانی کی ٹھان رکھی تھی اور اطاعت نام کو نہ تھی۔ ہر نشان جو حضرت موسیٰؑ نے ان کو دکھایا اسے انہوں نے حضرت موسیٰؑ کو جادوگر کہہ کر ٹال دیا۔ ظلم اور تکبر کی حد ہوتی گئی اور حضرت موسیٰؑ کے ماننے والے چند لوگوں کے سوا سب فرعون کا ساتھ دینے لگے۔

بچو یہ کہانی بہت لمبی اور مزیدار ہے اور عقل اور سمجھ سے کام لینے والوں کیلئے نہایت ایمان افروز ہے کہ خدا نے اپنے نبی کو بچپن میں کس طرح معجزانہ طور پر بچایا، پالا پوسا، اور اس طرح ان کی زندگی میں بھی معجزات بھرے ہوئے ہیں۔

بچو! آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ۹ معجزات مختصر بتا کر اس کہانی کو پورا کروں گی۔ قرآن کریم میں جو یہ جو نو معجزات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ان کی تشریح ایک ہی جگہ نہیں بلکہ مختلف جگہوں پر یعنی مختلف سورتوں میں قرآن میں بیان ہوئی ہے۔

پہلا معجزہ عصا کا سانپ بن جانے کا تھا۔

دوسرا معجزہ اللہ نے کہا کہ موسیٰ تو اپنا ہاتھ بغل میں ڈال اور پھر نکال، اسے سفید پائے گا کسی بیماری کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ خدائی معجزہ تھا۔

تیسرا معجزہ قحط سالی کا تھا۔

چوتھا معجزہ اولادوں کا مرجانا تھا جو ان الفاظ میں بیان ہوا ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۶﴾

پانچواں معجزہ طوفان کا تھا۔ حضرت خلیفہ ثانیؓ کی تفسیر صغیر میں ذکر ہے کہ ایک عظیم الشان طوفان آیا تھا۔ حضورؓ فرماتے ہیں کہ:

''میرے نزدیک طوفان کا معجزہ وہی تھا جو بحیرہ احمر میں ظاہر ہوا جب فرعون اور اس کے لشکر اس میں غرق کر دئے گئے تھے۔ اس وقت بھی ایک بڑا طوفان آیا تھا جس سے سمندر زمین سے پرے ہٹ گیا تھا اور زمین ننگی ہوگئی تھی اور جب موسیٰ پار چلے گئے تو فرعون اُن کا پیچھا کرتے ہوئے اپنے لشکروں سمیت اس میں گھس کر آخر غرق ہو گیا تھا۔''

(تفسیر صغیر صفحہ 485 سورۃ النمل آیت 13 حاشیہ نمبر 2)

پیارے بچو! کتنا عظیم معجزہ تھا مگر خدا نے اس جابر اور متکبر بادشاہ کی نعش کو غرق ہونے سے بچا لیا اور وہ آج تک عبرت کے نشان کے طور پر مصر کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ اِس طرح خدا تعالیٰ نشان دکھاتا ہے مگر جنہوں نے نہیں ماننا وہ نہیں مانتے۔

چھٹا معجزہ ٹڈیوں کا تھا۔ ٹڈی دل کا عذاب آیا اور ساری کی ساری فصلیں یہ ٹڈیاں کھا گئیں اور اِس طرح ملک میں قحط سالی پڑ گئی تھی۔

ساتواں معجزہ اَلْقُمَّلَ یعنی جوؤں کا تھا۔ حضورؓ نے تفسیر صغیر میں لکھا ہے کہ غالباً سردی پڑی تھی اور نہانا غسل کرنا اُن لوگوں کیلئے مشکل ہو گیا تھا اور جوئیں پڑ گئیں تھیں۔

اور پھر آٹھواں معجزہ ''الضفادع'' یعنی مینڈکوں کا عذاب تھا۔ جب بارشیں زیادہ ہوتی ہیں تو مینڈک بہت بڑھ جاتے ہیں۔ اس واقعہ میں اشارہ ہے کہ بارشیں بہت زیادہ ہوئی تھیں تو جیسا کہ تجربہ ہے کہ ہر دیوار پر مینڈکوں کے انڈے سوکھ جاتے ہیں اور بارش پڑتے ہی چھوٹے

چھوٹے مینڈک بارش کی طرح گرنے لگ جاتے ہیں۔گرم ملکوں میں اکثر ایسا ہوتا ہے۔

نواں معجزہ ''الدم'' یعنی خون کا تھا جس سے مراد طاعون کی وہ قسم ہے جس میں نکسیر پھوٹنے لگ جاتی ہے اور آدمی مر جاتا ہے۔

بچو! دیکھا کتنے معجزے اللہ تعالیٰ نے اِس قوم کی ہدایت کیلئے دکھائے۔لوگ مصیبتوں میں بھی مبتلا ہوئے مگر صرف چند لوگوں کو حضرت موسیٰ پر ایمان لانے کی توفیق ملی۔

بچو دیکھا کیسا انجام ہوتا ہے جھٹلانے والوں کا اور آج بھی یہی ہو رہا ہے۔ہمارے پیارے نبی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نہ ماننے والوں کا اور خدا کو نہ ماننے والوں کا اور نبی کو جھٹلانے والوں کا کہ زلزلے، سیلاب اور طرح طرح کے عذاب اور طوفان جگہ جگہ آرہے ہیں۔بچو ان حالات میں خاص طور پر دعاؤں پر آپ سب بھی زور دیں جیسا کہ حضور اقدس حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی ہم سب کو روزانہ دو نفل خاص طور پر امن و امان اور جماعت کی حفاظت اور اسلام اور احمدیت کی ترقی کیلئے پڑھنے کی تاکید کی ہے۔ہمیں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر دل و جان سے عمل کرنا چاہیئے۔اللہ تعالیٰ آپ سب کی دعائیں قبول کرے۔آمین۔



حضرت عیسیٰ علیہ السلام



بچو! یہ تو آپ کو پتہ ہی ہوگا کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور اُن کا عقیدہ اور ایمان ہے کہ حضرت عیسیٰؑ، حضرت مریمؑ کے بیٹے ہیں اور اُن کا باپ خدا تعالیٰ ہے گویا یسوع خدا کا بیٹا ہے۔ مٹی اور چینی کی مورتیاں بنا کر حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پوجا بھی کرتے ہیں۔ پھر ان کے لاکیٹ بنا کر گلے میں ہار کی طرح پہنتے ہیں۔ جگہ جگہ گرجوں میں سجاتے ہیں اور بڑی عزت دیتے ہیں۔ جہاں تک بات احترام کی ہے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم اور حضرت مسیح علیہ السلام کو جو مقام قرآنِ پاک کی رو سے عطا فرمایا وہ اپنی جگہ ہے اور اس کا ہمیں اعتراف بھی ہے۔ مگر ان کی عبادت کرنا کسی بھی طور سے بھی درست نہیں۔ عبادت کا حق دار تو صرف اللہ کی ذاتِ واحد ہی ہے۔

بچو! یہ بات قرآن کریم میں صاف صاف لکھی ہوئی ہے کہ ہر نبی کی مخالفت ہوتی ہے اور ہر نبی پر ایک ہی قسم کے اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ نبیوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے ہر نبی کو مجنون اور ساحر یا جادوگر کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پاک بازوں کی حفاظت بھی فرماتا ہے اور مدد بھی فرماتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بھی تو ایک معجزہ ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ مریم میں ہے۔ آپ خود بھی جب پڑھیں گے تو اچھی طرح سمجھ آجائے گی کہ کس طرح اللہ تعالیٰ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو صرف کُن کہتا ہے یعنی ہو جا اور وہ کام ہو جاتا ہے۔

تو پیارے بچو! ہوا یوں کہ حضرت مریمؑ جو ایک نہایت نیک اور پاکباز عورت تھیں اور علیحدگی

میں لوگوں سے چھپ کر خدا کی عبادت کرتی تھیں، ایک دن اپنی قوم سے علیحدہ ہو کر خدا کی عبادت کر رہی تھیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام خدا کے حکم سے اُن کے پاس انسانی شکل میں ظاہر ہوئے۔ حضرت مریمؑ نے اُن کو دیکھ کر کہا کہ میں تیرے شر سے رحمٰن خدا کی پناہ میں آتی ہوں اگر تجھ میں خدا کا خوف ہے۔ اُس فرشتے (حضرت جبرائیل علیہ السلام) نے کہا کہ میں تجھ کو ایک وحی کے مطابق ایک پاک لڑکے کی بشارت دیتا ہوں۔ حضرت مریم علیہ السلام نے کہا میرے ہاں لڑکا کس طرح ہوسکتا ہے جبکہ مجھے کسی انسان نے چھوا تک نہیں اور نہ میں بدکار ہوں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ بات جو تم کہہ رہی ہو بالکل ایسے ہی ہے مگر اللہ تعالیٰ، جو تیرا بھی رب ہے اور میرا بھی، نے کہا ہے کہ یہ کام مجھ پر آسان ہے اور میں جو چاہوں اور جب چاہوں کرسکتا ہوں۔

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۲﴾

اس نے کہا اسی طرح۔ تیرے رب نے کہا ہے کہ یہ بات مجھ پر آسان ہے تا کہ ہم اسے لوگوں کیلئے نشان اور اپنی طرف سے مجسم رحمت بنا دیں اور یہ ایک طے شدہ امر ہے۔ (سورۃ مریم: ۲۲)

اور پھر حضرت مریم حاملہ ہوگئیں۔ بچو حاملہ اُس وقت کو کہتے ہیں جب کوئی عورت اُمّی بننے والی ہوتی ہے۔ گویا حضرت مریم کے ہاں ایک بچے کی آمد متوقع تھی۔ یہ وقت گزرانا اُن کیلئے مشکل تھا۔ لوگوں کی باتیں طعن و تشنیع سب کچھ سہتی تھیں۔ مگر آپ تو ایک پاکباز عورت تھیں اور اپنے خدا کی بتائی ہوئی ہر بات پر اور ہر حکم پر عمل کرتی جاتی تھیں۔ اُن کو بچے کی ولادت کے وقت کا علم ہوگیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی رہنمائی کی کہ اِس علاقہ میں جہاں وہ رہتی تھیں وہاں سے دور چلی جائیں۔ جہاں ایک چشمہ بھی بہتا تھا اور کھجوروں کے درخت بھی تھے۔ گویا زندگی گزارنے کیلئے خوراک اور پانی دونوں ہی وہاں موجود تھے اور یہی چیزیں زندگی کیلئے ضروری ہوتی ہیں۔ چنانچہ آپ نے

حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی کہانی میں پڑھا ہوگا کہ ہر نبی کی آمد بھی اور زندگی بھی اور پھر اس کا مقصد بھی صرف اور صرف خدا کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ وہی انبیاء کو دنیا میں بھیجتا، زندگی دیتا اور خود حفاظت کرتا اور اُن کے ذریعہ مخلوق خدا کو اپنی عبادت کیلئے علم و فراست عطا فرماتا ہے۔

تو بچو! حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت پر لوگوں کے سوال تو اُٹھنے تھے جن کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ سے کہا کہ تم خود کسی سے بات نہ کرو اور نہ ان سوالوں کے جواب دینا بلکہ کہہ دینا کہ میں نے روزہ رکھا ہوا ہے یعنی رحمٰن خدا کیلئے ایک روزہ کی نذر کی ہوئی ہے۔ آج میں کسی سے بات نہ کروں گی۔

فَكُلِىْ وَاشْرَبِىْ وَقَرِّىْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِىْٓ اِنِّىْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۚ﴿۲۷﴾

ترجمہ: پس تو کھا پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر اور اگر تو کسی شخص کو دیکھے تو کہہ سے کہ یقیناً میں نے رحمان کیلئے روزے کی منت مانی ہوئی ہے۔ پس آج میں کسی انسان سے گفتگو نہیں کروں گی۔ (سورۃ مریم: ۲۷)

کچھ عرصہ بعد جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی چھوٹے ہی تھے آپ ان کو لے کر اپنی قوم کے پاس آئیں تو لوگوں کے سوالوں کی بوچھاڑ شروع ہوگئی کہ اے ہارون کی بہن تیرا باپ تو بُرا آدمی نہ تھا تیری ماں بھی نیک عورت تھی مگر یہ بچہ کیسے بغیر باپ کے پیدا ہوگیا۔ اس پر حضرت مریم علیہ السلام نے خدا کے حکم سے بچے کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے پوچھو۔ لوگ سخت حیران ہوئے اور کہا کہ ہم اس سے کس طرح بات کریں جو ابھی پنگھوڑے ہی میں چھوٹا سا بچہ ہے۔

بچو اس وقت دراصل حضرت مسیح علیہ السلام پنگھوڑے میں نہیں تھے۔ یہ تو صرف ایک محاورہ تھا کہ ہم اس کل کے بچے سے کیا بات کریں۔ تم ہی اصل حقیقت سے پردہ اُٹھاؤ۔ مگر چونکہ حضرت

مریمؑ خدا کے حکم سے خاموش تھیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود ہی بولے:

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛؕ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۱﴾ وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴿۳۲﴾

ترجمہ: اُس نے کہا یقیناً میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ نیز مجھے مبارک بنا دیا ہے جہاں کہیں بھی میں ہوں اور مجھے نماز کی اور زکوٰۃ کی تلقین کی ہے جب تک کہ میں زندہ ہوں۔ (سورۃ مریم:32-31)

پھر بچو! یوں ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ میں وہی ہوں جس کے آنے کا ذکر تمہاری مقدس کتاب بائیبل میں ہے۔ یہودیوں نے کہا کہ تم کس طرح مسیح ہو سکتے ہو ابھی تو ایلیا آسمان سے نہیں اُترے۔ دراصل بچو! تورات میں استعارۃً یہ قول درج ہے کہ ایلیا مسیح سے قبل آسمان سے آئے گا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے یہودیوں سے کہا کہ تم جس ایلیا کا انتظار کرتے ہو وہ یحییٰ بپتسمہ دینے والا ہے۔ اب کوئی آسمان سے نہیں آئے گا۔ اس پر یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی مخالفت شروع کر دی اور آپ کے خلاف مشہور کر دیا کہ آپ حکومت کے باغی ہیں۔ آپ کے خلاف پیلاطوس کے دربار میں شکایت کر دی اور بڑا سخت مطالبہ کیا کہ یہ حکومت کا باغی ہے اس کو صلیب دی جائے۔ پیلاطوس جو کہ دل سے حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان رکھتا تھا۔ اس نے کہا کہ میں تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں پاتا جس سے بغاوت کا شبہ ہوتا ہو۔ یہ تو معصوم اور بے گناہ ہے۔ اس پر یہودیوں نے شور مچا دیا کہ اگر تو اس کو صلیب کی سزا نہیں دے گا تو ہم تیری شکایت ہیرودوس کے پاس کریں گے کہ تو نے باغی کا ساتھ دیا۔ اس پر پیلاطوس ڈر گیا اور اس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے خلاف صلیب دیئے جانے کا فتویٰ دے دیا۔ یہودیوں کے اعتقاد کے مطابق جو صلیب کی موت مرے وہ جھوٹا اور لعنتی ہوتا ہے۔

بچو! یہ بڑا ہی دردناک قصہ ہے۔ یہودی اپنی اس فتح عظیم پر خوشی کے ترانے گا رہے تھے۔

جس دن حضرت مسیح علیہ السلام کو قید کیا گیا اس سے ایک رات قبل حضرت مسیح علیہ السلام اپنے حواریوں کے پاس جو ۱۲ کی تعداد میں تھے، ایک باغ میں آئے اور انہیں سوتے ہوئے پایا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بڑے ہی افسوس سے اُن سے کہا کہ اے سست اعتقادو! میں کب تک تمہارے ساتھ رہوں گا۔ اُٹھو اور خدا کے حضور دعا کرو۔ پھر آپ آگے بڑھے اور گھٹنوں کے بل گر کر سجدے کی حالت میں بڑے ہی الحاح سے خدا کے حضور فریاد کرنے لگے کہ اے میرے خدا اگر ہو سکے تو یہ موت کا پیالہ مجھ سے ٹال دے اور مجھے رسوا ہونے سے بچا لے۔ اس دُعا کے بعد جب حضرت مسیح علیہ السلام واپس مُڑے تو اپنے حواریوں کو ویسے ہی سوتے ہوئے پایا۔

پیارے بچو! حضرت مسیح علیہ السلام کے قید کئے جانے کا منظر بھی بڑا رقت آمیز تھا۔ آپ کے ایک حواری یہودا اسکرایوتی نے سپاہیوں سے اندر ہی اندر بات کر لی تھی کہ میں تمہیں مسیح کی نشاندہی کردوں گا اور اس کے عوض میں اس نے سپاہیوں سے ۳۰ روپے لئے۔ یعنی محض ۳۰ روپیوں میں اپنے نبی کو بیچ دیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مسیح اپنے حواریوں کے درمیان رونق افروز تھے۔ باہر سپاہی چھپ کر یہ نظارہ دیکھ رہے تھے۔ یہودا اُٹھا اور اس نے اُٹھ کر مسیح کے ہاتھ چومے۔ مسیحؑ نے کہا کہ کیا تو میرے ہاتھ چوم کر مجھے پکڑواتا ہے۔ اس پر یہودا پیچھے ہٹ گیا اور سپاہی مسیح کو پکڑ کر لے گئے اور پھر ان پر مقدمہ چلا اور صلیب کی سزا تجویز ہوئی۔

بچو یہ کہانی تو بہت لمبی ہے آپ اپنی اُمی سے بھی سن سکتے ہو۔ مختصراً یہ کہ پیلاطوس نے حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب پر لٹکانے کا حکم ایسے وقت دیا جب سبت کا دن شروع ہو رہا تھا اور سبت کے دن یہودی کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ بڑی بے دردی کے ساتھ ایک کراس نما بڑے سے تختے پر مسیح کو لٹا کر اُن کے ہاتھوں اور پیروں میں موٹی موٹی کیلیں ٹھونکیں گئیں اور سر پر کانٹوں کا تاج اور اُن کے گلے میں ایک لکڑی کے تختے پر یہ لکھ کر لٹکایا کہ

''اس نے کہا ہے کہ میں یہودیوں کا بادشاہ مسیح ہوں۔''

مسیح کے ساتھ دو چوروں کو بھی صلیب پر لٹکایا گیا۔ یہودی مسیح پر ہنستے اور آوازیں کستے تھے کہ اس نے بہتوں کو بچانے کا دعویٰ کیا تھا، اب خود کو کیوں نہیں بچاتا۔ ایک ساتھ والے چور نے بھی یہی بات کہی تو دوسرے نے کہا کہ ہم تو اپنے گناہوں کے سبب سزا پاتے ہیں مگر یہ تو بے گناہ ہے۔ مسیح نے کہا کہ تم آج ہی میرے ساتھ بہشت میں ہو گے۔

اس کے بعد بچو یوں ہوا کہ مسیح درد سے کراہنے لگے اور جب درد برداشت سے باہر ہو گیا تو مسیح نے چلا کر خدا سے فریاد کی کہ اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر ایک سرکنڈے کو سرکہ میں بھگو کر مسیح کو دیا۔ اس سے مسیح بے ہوش ہو گئے۔

اس کے بعد بچو یوں ہوا کہ اچانک اندھیرا چھا گیا گھٹا ٹوپ اندھیرا۔ لوگ مارے ڈر کے بھاگنے لگے۔ ہیکل کا پردہ اُوپر سے نیچے تک پھٹ گیا۔ ایک دو سپاہی جو وہاں موجود تھے انہوں نے کہا کہ ضرور یہ کوئی نیک انسان تھا۔ انہوں نے فوراً حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیب سے اُتارا۔

بچو! دراصل یہ ساری خدائی تدبیر تھی۔ خدا تعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو صلیبی موت سے بچانا چاہتا تھا۔ اس وجہ سے پیلاطوس کے حکم سے آپ کو بار بار بے ہوش کرنے والی دوا چٹائی جاتی تھی تاکہ جب آپ کو صلیب سے اُتارا جائے تو آپ بے ہوش ہوں اور یہودیوں پر یہ شبہ پیدا کر دیا جائے کہ آپ فوت ہو گئے ہیں۔ ورنہ اگر ہوش کی حالت میں آپ کو صلیب سے اُتارا جاتا تو لازماً آپ کی ہڈیاں توڑی جاتیں، جیسا کہ دوسرے دو چوروں کی توڑی گئیں کیونکہ وہ ہوش کی حالت میں صلیب سے اُتارے گئے تھے۔

اس کے بعد آپ کے حواری آپ کو ایک قبر نما غار میں لے گئے اور وہاں تین دن تک آپ کے زخموں کا علاج ہوتا رہا۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے کہ یہودی نہ تو حضرت مسیح کو قتل کر سکے اور نہ ہی صلیب پر مار سکے بلکہ اُن کو شبہ پڑ گیا اور ایک دوسرے

مقام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد مسیح اپنے وطن سے ہجرت کر گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ اور مریم دونوں کو یہودیوں کے چنگل سے نجات دلا کر ایک ایسی اونچی جگہ پر پناہ دی جو پرسکون اور چشموں والی تھی۔

پیارے بچو اس جگہ میں مختصراً یہ بھی بتاتی چلوں کہ حضرت مسیح ہجرت کر کے کہاں گئے۔ دراصل حضرت مسیح بنی اسرائیل کے ۱۲ قبائل کی طرف اللہ کے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے سینکڑوں سال قبل ایک بادشاہ بخت نصر نام کا ہوا تھا جس نے بنی اسرائیل پر حملہ کر کے ان پر غلبہ پالیا اور بابل نام کے شہر میں ان کو قید رکھا۔ ایک عرصہ گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو قید سے رہائی دلانے کیلئے ہاروت اور ماروت نام کے دو انبیاء بھیجے، جنہوں نے اُن کو بخت نصر کی قید سے رہائی دلائی۔ رہائی حاصل کرنے کے بعد ان میں سے دو قبائل تو وہیں یروشلم اور اس کے اردگرد کے علاقوں میں ہی رہے جبکہ باقی ۱۰ قبائل وہاں سے باہر نکلے اور مشرق کی طرف ہجرت کرتے ہوئے کشمیر تک آ کر آباد ہوئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام چونکہ پوری بنی اسرائیل قوم کے نبی تھے نہ صرف دو قبائل کے اس لئے ان کے فرض منصبی میں یہ بات شامل تھی کہ ان ۱۰ قبائل کو تلاش کر کے ان تک خدا کا پیغام پہنچایا جائے۔ چنانچہ صلیب سے نجات پانے کے بعد مسیح نے پہلا سفر جلیل کی طرف کیا جو یروشلم سے مشرق کی جانب ۷۰ میل کے فاصلے پر تھا۔ وہاں سے پھر آپ اپنے باقی قبائل کو تلاش کرتے کرتے کشمیر تک پہنچے۔

قرآن مجید کی یہ آیات بھی ظاہر کرتی ہیں کہ اُس وقت پنگھوڑے میں کھیلنے والے بچے نہیں بلکہ ایک نبی تھے جنہیں حکم تھا کہ نماز پڑھو۔ زکوٰۃ دو اور اپنی والدہ سے حسن سلوک کرو۔ ایک بچہ تو یہ سب کام نہیں کرسکتا اور اپنی والدہ کی نیک تربیت سے یعنی حضرت مریمؑ کی تربیت سے ایک ایسے اعلیٰ پایۂ کے نوجوان نبی بنائے گئے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تعلیم اور آسمانی کتاب انجیل کی تعلیم کے مطابق اپنی تبلیغ کے کام میں لگے رہے اور اپنی انتھک کوشش سے خدا تعالیٰ کی خوشنودی پائی۔

آپ کی ساری زندگی بڑی مشکلات اور امتحانوں میں گزری مگر خدا کی تعلیم کو نہ چھوڑا اور ۱۲۰ سال کی عمر پا کر وہیں کشمیر میں وفات پائی۔ محلہ خانیار میں آپ کی قبر موجود ہے جو میں نے خود دیکھی ہے۔

آج عیسائی ساری دنیا میں آپ کی یاد میں دن مناتے یعنی کرسمس مناتے دعائیں کرتے اور آپ کی پیدائش کو ایک معجزہ مانتے ہیں۔ یہ تھی وہ مختصر سی کہانی جو میں نے آپ کے چھوٹے سے ذہن کیلئے فی الحال اتنی ہی لکھی ہے۔ آگے بھی مزید کئی ایک اہم باتیں جو حضرت عیسیٰؑ کی وفات اور دوبارہ دنیا میں آمد کے بارہ میں لوگوں نے بنا رکھی ہیں مگر بچو! آپ تو پکے اور سچے احمدی بچے ہو اس لئے من گھڑت کہانیوں کو نہ سنا کرو اور اپنے ایمان کو اور یقین کو مضبوط رکھو۔



ہمارے پیارے نبی

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم



پیارے بچو! آج میں آپ کو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارہ میں بتاتی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارہ میں جاننا ہر مسلمان کا اور خاص طور سے احمدی مسلمان کا نہایت ضروری ہے۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام محمد ہے جو آپؐ کے دادا نے رکھا تھا۔ اس کے معنی ہیں تعریف کیا گیا۔ آج سے چودہ سو سال قبل آپؐ مکہ میں ۱۲ر ربیع الاوّل بروز پیر بمطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء کو پیدا ہوئے۔ آپؐ کی والدہ کا نام آمنہ تھا جو بنی زہرہ خاندان سے تھیں اور والد کا نام ''عبداللہ'' تھا جو عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔

بچو! اللہ کا کرنا کیا ہوا کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیدا ہونے میں ابھی چند ماہ باقی تھے کہ آپؐ کے والد صاحب وفات پا گئے۔ جب آپؐ پیدا ہوئے تو مکہ کی آب و ہوا چیچک کی وبا کی وجہ سے خراب ہوگئی تو آپؐ کی والدہ آپ کو یعنی رسولِ کریمؐ کو اپنے آبائی گاؤں لے گئیں جہاں کی تازہ ہوا اور عمدہ صاف زبان کی وجہ سے آپؐ کی صحت اچھی ہوگئی اور زبان دانی بھی خوب ہوگئی۔

یہاں بچو میں یہ بتاتی چلوں کہ آپؐ کے والد کی وفات آپ کے پیدا ہونے کے چند ماہ بعد ہوئی تھی (سیرت الحلبیہ) اور حضرت مسیح موعودؑ نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ کی والدہ حضرت آمنہ بہت غمزدہ اور پریشان رہا کرتی تھیں اور کمزور بھی ہوگئی تھیں۔ آپ نے اپنے بیٹے محمدؐ کو صرف دو تین دن ہی دودھ پلایا پھر عرب کے دستور کے مطابق مکہ کے قریبی گاؤں کی

کچھ عورتیں جو ہمیشہ سال میں ایک دو دفعہ شہر میں امیروں کے بچوں کو اپنا دودھ پلانے کیلئے اور اُن کی پرورش کرنے کیلئے لینے آتی تھیں آپ کی پیدائش کے بعد بھی مکہ میں آئیں۔ سب عورتوں نے یہ سمجھ کر کہ اس بچے (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے والد چونکہ فوت ہو چکے ہیں اس لئے آپؐ کی پرورش کرنے کے نتیجہ میں اچھی اُجرت یا انعام نہیں مل سکتا، آپؐ کی پرورش اپنے ذمہ نہ لی اور آپؐ کو وہیں چھوڑ کر امیر گھرانوں کے بچے ساتھ لے گئیں۔ جب بی بی حلیمہ کو کوئی بچہ نہ ملا تو انہوں نے خالی جانا مناسب نہ سمجھا اور وہ آپؐ کو اپنے ساتھ لے گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے وجود کی برکت سے اُن کے دودھ دینے والے جانوروں میں اس کثرت سے دودھ پیدا کیا کہ وہ حیران رہ گئیں۔ مگر سمجھ گئیں کہ یہ سب اس بچے کی برکت ہے اس لئے وہ بڑی محبت اور توجہ سے آپ کی پرورش کرنے لگیں۔

بچو! دیکھو پھر کیا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی صرف ۶ سال کی عمر کو ہی پہنچے تھے کہ آپؐ کی والدہ انتقال کر گئیں۔ اس طرح آپؐ ماں اور باپ دونوں کے مبارک وجود سے محروم ہو گئے۔ نہ کوئی بہن نہ بھائی چونکہ دادا جان زندہ تھے، انہوں نے آپ کو اپنی کفالت میں لے لیا یعنی پالنے لگے۔ ابھی اللہ میاں کو شاید اور امتحان منظور تھا۔ ابھی ۲ سال ہی گزرے تھے کہ بوڑھے دادا بھی اس جہان سے رخصت ہو گئے۔ اب کون خیال رکھتا آپؐ کا؟ یہ کام آپؐ کے چچا ابو طالب نے اپنے ذمہ لیا اور آخری دم تک نبھایا۔ دراصل آپ کے والد عبداللہ جو آپ کے بھائی تھے وہ ابو طالب سے چھوٹے تھے ابو طالب نے اپنے بھتیجے کو جس کا اس وقت دنیا میں کوئی عزیز اور سہارا باقی نہ رہا تھا اپنی کفالت میں لیکر اس عہد کو خوب نبھایا اور بڑے پیار سے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش دیکھ بھال کی اور ہر طرح سے خیال رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچپن سے ہی بہت نیک، سادہ اور ہمدرد دل رکھنے والے انسان تھے۔ کبھی بچوں سے بھی جھگڑا نہ ہوا۔ آپؐ کو بیکار رہنا ہرگز پسند نہ تھا اس لئے گزارہ کیلئے آپؐ نے مکہ والوں کی بکریاں بھی ابتداء میں چرائیں مگر اس کے بعد مستقل طور

پر تجارت کا پیشہ اختیار کرلیا۔آپؐ کے مالِ تجارت میں اللہ تعالیٰ نے خوب برکت ڈالی اور نفع رساں تجارت کرتے رہے۔آپؐ کی نیکی ،راست بازی اور دیانت کو دیکھ کر اکثر لوگ اپنی امانتیں آپؐ کے پاس رکھ دیا کرتے تھے اور اس وجہ سے آپؐ امین اور صدیق کے نام سے مشہور ہو گئے۔ بارہ سال کی عمر میں آپؐ اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ ملک شام کے سفر پر گئے اس سے آپؐ کو بہت کچھ تجربہ حاصل ہوا۔

اِسی دوران قریش قبیلہ کی ایک خدیجہ نام کی بی بی جو بہت دولتمند تھیں اُن کے شوہر فوت ہو چکے تھے اور اپنا سامان دوسروں کو تجارت کیلئے دے کر اپنا گزارہ کرتی تھیں جب انہوں نے ہمارے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت اور امانت کی شہرت سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلوا کر اپنا سامان تجارت آپؐ کے سپرد کر دیا اور اپنا ایک غلام میسرہ بھی آپ کے ساتھ روانہ کر دیا۔آپؐ وہ سامان لیکر ملک شام میں گئے اور خوب نفع کما کر واپس لوٹے۔حضرت خدیجہؓ آپؐ کے اس کام سے بہت خوش ہوئیں۔اس سفر سے واپس آئے ابھی تین مہینے ہی گزرے تھے کہ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ سے نکاح کے لئے اپنی ایک لونڈی کے ذریعہ پیغام بھیجا۔اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی اور حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر صرف ۲۵ سال تھی۔ بچو! ہے کوئی مثال آج کے زمانہ میں ایسی کہ شادی کیلئے لڑکا اور لڑکی کی عمر میں اتنا فرق ہو اور وہ بھی ایک (بیوہ) عورت سے یعنی جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو۔تھے نا مثالی اور بہت خاص انسان ہمارے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؐ نے اس رشتہ کو قبول کرلیا اور آپؐ کے چچا ابو طالب نے ۵۰۰ درہم حق مہر پر آپ کا نکاح پڑھا۔اس شادی سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ بڑے بیٹے کا نام ابو القاسم تھا جس کی وجہ سے آپؐ کی کنیت ابوالقاسم پڑ گئی۔آپؐ کی بیٹیاں رقیہؓ، زینبؓ، اُم کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ تھیں۔جیسا کہ بچو آپ کو پتہ ہی ہوگا کہ حضرت فاطمہؓ، حضرت علیؓ، سے بیاہی گئیں۔آپ ہی کی اولاد سے آگے جاری ہونے والے سلسلہ نسل کو سادات کہا جاتا ہے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر ۳۵ برس کی تھی تو قریش قبیلہ نے کعبۃ اللہ کو از سرِ نو تعمیر کیا۔ اس موقع پر ایک مسئلہ پیش آیا کہ جب حجرِ اسود رکھنے کا موقع تھا تو ہر قبیلہ کے سردار نے چاہا کہ یہ شرف اُسی کے حصہ میں آئے۔ اس پر سب سردار آپس میں لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے۔ آخر ایک شخص نے کہا لڑو مت جو شخص سب سے پہلے اس دروازہ سے آئے اُس سے فیصلہ کروالو۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آ رہے ہیں۔ آپؐ اندر داخل ہوئے تو سب خوشی سے اُچھل پڑے اور پکار اُٹھے کہ صدیق صدیق امین امین۔ آپؐ سے فیصلہ چاہا۔ بچو! آپ کو تو پتہ ہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کتنے ہر دلعزیز تھے، نیک تھے، امین اور صدیق تھے اور سب سے بہت اچھے اخلاق سے پیش آتے تھے۔ سب آپ کو بہت پسند کرتے تھے۔ آپؐ نے کمال دانائی سے فرمایا کہ ایک چادر لاؤ۔ چادر لائی گئی۔ آپ نے اِس میں حجرِ اسود رکھا اور سب سرداروں سے کہا کہ اس چادر کے کونے پکڑ کر اُونچا اُٹھاؤ۔ سب نے حجرِ اسود اُونچا کیا۔ پھر آپؐ نے اپنے ہاتھ سے اُسے اُٹھا کر اُس کی اصل جگہ پر رکھ دیا اس طرح آپؐ کی دانائی سے سارا عرب کشت وخون سے بچ گیا۔

بچو! آپ سب نے یہ بھی سنا ہوگا یا پڑھا ہوگا کہ مکہ شہر سے تین میل کے فاصلے پر ایک غار ہے جسے ''غارِ حرا'' کہتے ہیں۔ آپؐ کچھ دنوں کے لئے خاص دعاؤں اور عبادت کیلئے اس پہاڑ پر چڑھ کر اس غار میں چلے جاتے تھے اور اپنے رب سے، مالک وخالق رب سے بہت دُعائیں کرتے اور آپؐ کو اس عرصہ میں کثرت سے خواب آتے جو فوراً ہی پورے بھی ہو جاتے۔ ایک دن حسب دستور آپؐ عبادت میں مشغول تھے کہ حضرت جبرائیلؑ (وحی لانے والے فرشتے کا نام حضرت جبرائیلؑ ہے) آپؐ کے پاس آئے اور آپؐ سے کہا پڑھو۔ آپؐ نے کہا میں پڑھنا نہیں جانتا۔ اُس فرشتے نے آپؐ کو اپنے سینہ سے لگا کر دبایا۔ تین دفعہ ایسا ہوا۔ اس کے بعد اُس نے کہا اقرا باسم ربك الذی خلق۔ یعنی اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھ جس نے پیدا کیا ہے۔ تب آپؐ نے یہی کلمات پڑھے۔ سورۃ علق کی پہلی پانچ آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرشتے نے سکھائیں۔ اس

کے بعد وہ فرشتہ یعنی حضرت جبرائیلؑ غائب ہو گئے۔ آپؐ گھبرائے ہوئے حضرت خدیجہؓ کے پاس واپس لوٹے اور آتے ہی کہا زَمِّلُوۡنِی زَمِّلُوۡنی یعنی مجھے کمبل اوڑھا دو مجھے کمبل اوڑھا دو۔ آپؐ نے سارا واقعہ حضرت خدیجہؓ سے کہہ سنایا۔ حضرت خدیجہؓ نے سنتے ہی کہا کہ آپؐ غریبوں پر رحم فرماتے ہیں، بے کسوں کی مدد کرتے ہیں، جو قرضوں وغیرہ کے بوجھوں کے نیچے دبے ہوئے ہوں اُن کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں۔ خدا آپؐ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ پھر حضرت خدیجہؓ آپؐ کو اپنے ایک رشتہ دار مکہ کے سب سے بڑے عالم ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جنہوں نے یہ واقعہ سنتے ہی کہا کہ آپؐ کے پاس تو وہی پیغام آیا ہے جو حضرت موسیٰؑ کے پاس آیا تھا۔ یعنی آپؐ خدا کے پیغمبر بنائے گئے ہیں۔ کاش! میں اُس وقت جوان ہوتا جب آپ کی قوم آپؐ کو اپنے شہر سے نکال دے گی تو میں آپؐ کی ضرور مدد کرتا۔ آپؐ نے پوچھا کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟ اُس نے کہا ہاں جو شخص بھی آپؐ کی طرح نبی ہو کر آتا ہے لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ دراصل آپ کی حیرانی کی وجہ یہ تھی کہ آپ سے کسی کی کوئی دشمنی نہ تھی۔ سب آپؐ کی عزت کرتے تھے اور آپؐ کی بات مانتے تھے اس لئے آپ حیران ہوئے کہ کیا مجھے میری قوم نکال دے گی۔

جب آپؐ نے نبوت و رسالت کی تبلیغ شروع کی تو عورتوں میں سے سب سے پہلے آپؐ پر آپ کی بیوی حضرت خدیجہؓ ایمان لائیں، مردوں میں سے حضرت ابوبکرؓ نے آپؐ کو قبول کیا اور بچوں میں سے حضرت علیؓ آپ پر ایمان لائے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ لوگ ایمان لاتے گئے۔ تین سال کے عرصہ میں کوئی چالیس آدمی آپؐ پر ایمان لے آئے۔ جن میں حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نمبر پہلے ہے۔

جیسا کہ ہمیشہ نبیوں اور رسولوں کے تبلیغ کرنے پر اُن کی مخالفت اور دشمنی ہوتی ہے۔ ایسا ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بھی ہوا اور لوگ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کے دشمن ہو گئے اور آپؐ مارنے کی ترکیبیں بنانے لگے۔ جب مخالفت حد سے بڑھ گئی اور مکہ والے آپؐ کے خون کے

دشمن ہو گئے اور تمام قبائل نے آپؐ کے خون کا ارادہ کرلیا۔ تو حضورؐ نے حضرت علیؓ کو بلا کر لوگوں کی امانتیں اور مال وزر اُن کے سپرد کر دیا اور سارا حساب کتاب بتا دیا اور رات کو اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو لٹا کر خود خدا کے اذن سے گھر سے باہر نکل پڑے۔ اللہ کا کرنا کیا ہوا کہ جو دروازے پر گھات میں بیٹھے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے اُن پر غفلت طاری کر دی اور انہیں آپؐ کے باہر نکلنے کا علم تک نہ ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ سے مشورہ ہو چکا تھا اس لئے آپؐ نے اُنہیں ساتھ لے لیا اور غارِ ثور کی طرف رُخ کیا جو مکہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے، وہاں پہنچ کر اس تنگ و تاریک غار میں دونوں ساتھی کچھ دیر کیلئے چھپ گئے۔

کفار کو جب پتہ چلا تو پہلے انہوں نے اِدھر اُدھر تلاش کیا، صحابہؓ سے پوچھا مگر جب پتہ نہ چلا تو پھر اعلان کر دیا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زندہ یا مردہ لے آئے گا اس کو سو سُرخ اونٹ بطور انعام دیئے جائیں گے۔ اس لالچ میں کئی آدمی اِدھر اُدھر آپؐ کی تلاش میں دوڑ پڑے۔ خود رؤسائے قریش بھی چند سراغ رسانوں کو لیکر آپؐ کی تلاش میں نکلے۔ سراغ لگانے والے انہیں غارِ ثور کے منہ تک لے آئے اور کہا کہ تمہارے مجرم اس غار تک پہنچے ہیں لیکن یہاں سے آگے نہیں گئے۔ یا تو اس غار میں ہیں یا پھر آسمان پر اُڑ گئے ہیں۔ قریش اسقدر آپکے قریب کھڑے تھے کہ آپؐ اُن کی باتیں سن رہے تھے اور اگر وہ ذرا نیچے جھانکتے تو دیکھ سکتے تھے مگر چونکہ آپؐ کے غار میں جانے کے کچھ دیر بعد ہی غار کے مُنہ پر مکڑی نے جالا بُن دیا تھا اور کبوتری نے انڈے دے دیئے تھے جسے دیکھ کر وہ سردار اپنے سُراغ رسانوں کو بے وقوف بتاتے ہوئے واپس چلے گئے۔ اس موقعہ پر حضرت ابوبکرؓ نے گھبراہٹ کا اظہار کیا کہ یارسول اللہ! اگر کفار ذرا جھانک لیں تو ہمیں دیکھ لیں گے۔ آپؐ نے فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ۔ یعنی غم نہ کر، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

دیکھا بچو! ہمارے پیارے نبیؐ کا خدا پر کتنا بڑا ایمان اور بھروسہ تھا۔ یہی وہ یقین ہے جو

انسان کو ہر میدان میں کامیاب کرتا ہے۔آپؐ تین دن اس غار میں ٹھہرے۔حضرت ابوبکرؓ کے خادم عامر بن فہیرہ اِدھر اُدھر بکریاں چراتے رہتے اور رات کو آپ دونوں کو دودھ دے جاتے جس پر آپؐ کا گزارہ تھا اور حضرت ابوبکرؓ کے فرزند عبداللہ، کفار کی خبریں پہنچاتے رہے۔ربیع الاوّل 14 نبوی بمطابق 20 جون 622ء کو آپؐ اپنے خادم اور حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ مدینہ کی طرف کوچ کر گئے۔

پیارے بچو! حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبیوں کے سردار تھے مگر نہایت اعلیٰ اخلاق کے مالک، دل کے نرم اور رحمدل تھے۔آپؐ نے کل گیارہ شادیاں کیں۔آپؐ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ آپ کو بہت پیاری تھیں۔حضرت عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے آخری بیوی تھیں جو کہ نہایت ذہین اور نیک خاتون تھیں۔آپؐ کے دونوں نواسے جن کے نام تو بچو آپ کو آتے ہی ہیں حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ یہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بڑے پیارے اور لاڈلے نواسے حضرت فاطمہؓ کے بیٹے تھے جن کی شہادت کا دردناک واقعہ بھی آپ اپنی اُمی سے سن لینا۔یہاں میں یہ بھی بتاتی چلوں کہ حضورؐ کی بیوی حضرت عائشہؓ سے مروی احادیث کی تعداد باقی سب راویوں سے زیادہ ہے۔آپ بچو یہ سب احادیث بھی بہت پڑھا کرو اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھی کثرت سے بھیجا کرو۔



حضرت مسیح موعود علیہ السلام



پیارے بچو! آپ کو یہ تو پتہ ہی ہوگا کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت مہدی معہود علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ماننے والے احمدی کہلاتے ہیں اور ہماری جماعت کا نام جماعت احمدیہ ہے۔ بچو بظاہر یہ باتیں چھوٹی اور معمولی لگتی ہیں مگر آپ کو حضور علیہ السلام کی زندگی، آپؑ کی آمد کا مقصد اور دیگر حالات کا بخوبی علم ہونا چاہیئے۔ چلیں آج میں آپ کو ذرا تفصیل سے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کے بارہ میں بتاتی ہوں۔ غور سے سنو یا پڑھو! آپ کا پورا نام حضرت مرزا غلام احمد صاحب تھا۔ آپ کے والد کا نام حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب تھا اور والدہ ماجدہ کا نام چراغ بی بی صاحبہ تھا جو ضلع ہوشیارپور کی رہنے والی تھیں۔

بچو! آپ کو حضورؑ کے کچھ خاندانی حالات بھی بتاتی چلوں۔ قریباً ۱۵۳۰ء میں جبکہ بابر بادشاہ کا زمانہ تھا ایک شخص مرزا ہادی بیگ صاحب جو امیر تیمور کے چچا حاجی برلاس کی نسل میں سے تھے، ایک باا ثر اور علم دوست رئیس تھے۔ اپنے چند عزیزوں اور خدمتگاروں کے ساتھ بعض نا معلوم وجوہات کی بناء پر اپنے وطن سمرقند سے نکل کر ہندوستان پہنچے اور پنجاب میں لاہور سے قریباً ستر میل شمال مشرق کی طرف بڑھ کر دریائے بیاس کے قریب ایک جنگل میں ڈیرا لگایا۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ مرزا ہادی بیگ کو دہلی کی شاہی حکومت کی طرف سے اس علاقہ کا قاضی یعنی حاکم اعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔ چونکہ اپنے ڈیرے اور کیمپ کا نام آپ نے اسلام پور رکھا تھا۔ اس لئے قضاء کا عہدہ سنبھالنے کے بعد یہ علاقہ لوگوں میں اسلام پور قاضیاں مشہور ہو گیا اور پھر کثرت استعمال کی

وجہ سے اسلام پور کا لفظ اڑ کر فقط قاضیاں اور پھر بالآخر قاضیاں سے قادیان بن گیا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جائے پیدائش یہی شہر ہے جو آج مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔الحمد للہ۔

حضورؑ کی پیدائش بروز جمعہ بوقت نماز فجر ۱۲ فروری ۱۸۳۵ء کو ہوئی۔آپؑ جڑواں پیدا ہوئے تھے۔ایک بہن آپ کے ساتھ آپ سے پہلے پیدا ہوئی تھی جو جلد ہی فوت ہوگئی۔اس کا نام جنت رکھا گیا تھا اور آپؑ کا نام غلام احمد رکھا گیا۔لفظ مرزا بطور لقب مغل خاندان میں سے ہونے کی وجہ سے بعد میں ساتھ ملایا گیا۔آپ علیہ السلام دراصل فارسی الاصل ہیں۔مغلیہ خاندان سے تعلقات کے سبب آپ علیہ السلام مغل مشہور رہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بچپن نہایت پاکیزہ حالات میں گزرا۔عام بچوں کی طرح آپ علیہ السلام زیادہ وقت کھیل کود میں صرف نہ کرتے تھے بلکہ زیادہ وقت علیحدگی میں گزارتے اور نیک باتیں سوچتے رہتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے آپؑ سے اسلام کی بہت بڑی خدمت لینا تھی۔اس لئے بچپن ہی سے آپکو نماز سے خاص شغف تھا اور بڑی سنوار کر نماز پڑھا کرتے تھے۔آپؑ کا دنیا کی طرف کوئی رجحان نہ تھا لیکن اپنے والد صاحب کے فرمان کے مطابق بعض دفعہ مقدمات کی پیروی کیلئے بھی جانا پڑا۔مگر آپؑ نے کبھی سچ کو نہ چھوڑا اور اگر دورانِ مقدمہ نماز کا وقت آ گیا تو بہر حال آپؑ نماز وقت پر پڑھنے کو ترجیح دیتے۔اگرچہ چھوٹی عمر میں آپؑ کے والد بزرگوار نے آپؑ کے لئے ایک اُستاد تعلیم دینے کیلئے مقرر کیا جن کا نام فضل الٰہی تھا۔جن سے آپؑ نے قرآنِ مجید اور فارسی کی چند کتب پڑھیں۔ان کے بعد فضل احمدؐ صاحب اور گل علی شاہ صاحب نے یکے بعد دیگرے آپؑ کو صرف ونحو اور منطق کی کتب پڑھائیں۔جن سے آپؑ کو کچھ عربی اور فارسی سمجھنی اور بولنی آ گئی۔آپ کو جو وقت فرصت کا ملتا۔اس میں دینی کتب کا مطالعہ کرتے رہتے اور زیادہ تر قرآنِ مجید کے سمجھنے کی طرف دھیان رکھتے تھے۔

آپؑ کی پہلی شادی حرمت بی بی نامی ایک خاتون سے ہوئی جو آپؑ کے عزیزوں میں سے تھیں مگر کچھ زیادہ دیندار نہ تھیں۔اُن کے بطن سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ایک کا نام مرزا فضل احمد اور

دوسرے کا نام مرزا سلطان احمد تھا۔ یہ شادی زیادہ عرصہ نہ رہی۔

آپؑ کی والدہ کی وفات ۱۸۶۵ء کے قریب ہوئی اور ۱۸۷۶ء میں آپؑ کے والد بزرگوار نے وفات پائی اور اُن کی وصیت کے مطابق قادیان کی جامع مسجد کے صحن میں جس کا نام مسجد اقصیٰ ہے ان کی تدفین ہوئی۔ آپؑ کو والد صاحب کی وفات کے بعد کچھ فکر معاش اور غم سا پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس الہام کے ذریعہ تسلی دی کہ:

اَلَیْسَ اللّٰہ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کیلئے کافی نہیں ہے۔یعنی اس پر بھروسہ رکھو وہ سب سامان کردے گا۔

آپ علیہ السلام کو دنیا داری میں کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپؑ سست طبع تھے بلکہ آپؑ نہایت جفاکش اور لگاتار محنت کرنے والے تھے۔ جب کبھی آپ کو سفر پر جانا ہوتا تو سواری کا گھوڑا نوکر کے ہاتھ میں دیکر آپؑ آگے روانہ کر دیتے اور خود پیدل چل کر ۲۰۔۲۵ میل کا سفر طے کر کے پہنچ جاتے یا بعض اوقات نوکر کو گھوڑے پر بٹھا دیتے اور خود پیدل چلتے۔ انہی دنوں کا ذکر ہے کہ آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے منشاء اور سنت انبیاء کے مطابق متواتر چھ ماہ کے روزے رکھے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ جو کھانا گھر سے آتا وہ آپؑ کھڑکی کے راستے غریبوں کو دے دیتے اور خود خالی پیٹ رہتے۔ آپؑ کو شروع ہی سے یہ عادت تھی کہ کھانا بہت کم کھاتے اور غریبوں میں کھانا بانٹ دیا کرتے تھے اور بعض اوقات خود چنے بھنوا کر گزارہ کر لیتے اور اپنا کھانا غریبوں کو دے دیتے تھے۔ اس لئے آپؑ کی مجلس میں غریبوں اور محتاجوں کا اکثر ہجوم رہتا تھا۔

پیارے بچو! یہ بات بھی ضرور آپ کو یاد رکھنی چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۸۸۴ء میں مجددیت کا دعویٰ کیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپؑ کے ذریعہ دین اسلام کو نئی شان وشوکت بخشنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ ۱۸۸۴ء کے آخر میں خدا کی بشارات کے ماتحت دہلی کے ایک معزز خاندان میں آپؑ کی دوسری شادی ہوئی۔ آپؑ کی زوجہ محترمہ کا نام حضرت نصرت جہاں بیگم صاحبہؓ ہے جن کو ساری جماعت

میں حضرت اماں جان ؓ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔آپ جماعت احمدیہ میں ام المومنین یعنی مومنوں کی ماں کے نام سے مشہور ہیں۔آپ ؓ ۸۶ سال کی عمر میں ۲۰، ۲۱ /اپریل ۱۹۵۲ کی درمیانی رات کو ربوہ پاکستان میں وفات پا گئیں۔آپ ؓ کی ساری اولاد اللہ تعالیٰ کی بشارات سے ہوئی۔

جنوری ۱۸۸۶ ء میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہوشیار پور جا کر چالیس دن خلوت یعنی علیحدگی میں بیٹھ کر چلہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جس کے نتیجہ میں خدا نے آپ ؑ کو ایک خاص فرزند (مصلح موعود ؓ) عطا کرنے کا وعدہ فرمایا۔جس کی آمد کو اپنے جلال اور نور کے پھیلانے اور اسلام کی ترقی اور غلبہ کا موجب قرار دیا۔

چنانچہ ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ ء بروز ہفتہ وہ فرزند گرامی پیدا ہوا جس کا نام نامی اور اسم گرامی حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ؓ ہے جو ہمارے موجودہ امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے نانا ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دوسرے ''خلیفہ'' اور ''مصلح موعود'' تھے۔جنہیں اللہ تعالیٰ نے بہت عظیم مرتبہ عطا فرمایا اور خدا کے الہام کے مطابق اُن سے قومیں برکتیں حاصل کرتی رہیں اور خدا کا جلال دنیا میں ظاہر ہوا۔یکم دسمبر ۱۸۸۸ اور ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ کو آپ ؑ نے یکے بعد دیگرے اللہ تعالیٰ سے حکم پا کر بیعت لینے کیلئے اشتہار شائع فرمایا اور ۲۳ /مارچ ۱۸۸۹ ء کو بمقام ''لدھیانہ'' چالیس آدمیوں نے آپ ؑ کے ہاتھ پر اس بات کا عہد کر کے کہ ''ہم دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے'' بیعت کی۔

۱۸۹۰ ء کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے آپ ؑ کو یہ خبر دی کہ:

> ''مسیح ابنِ مریم رسول اللہ فوت ہو چکا ہے اور اس کے رنگ میں رنگین ہو کر وعدہ کے موافق تُو آیا ہے''۔ (تذکرہ صفحہ ۱۸۶-۱۸۷)

اس انکشاف پر آپ ؑ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات اور اپنے مسیح موعود ہونے کا اعلان فرمایا۔

اس اعلان کا کرنا تھا کہ چاروں طرف سے مخالفت کا ایک طوفان کھڑا ہو گیا۔ایک طرف مولوی

لوگ آپؑ کے خلاف کھڑے ہوگئے اور دوسری طرف پنڈت اور پادری صف آرا ہوئے۔ آپؑ نے باوجود اکیلا ہونے کے ہرایک کا مقابلہ کیا اور اسلام کی تائید میں مخالفین کے اعتراضات کے جوابات میں آپؑ نے ۸۰ کے قریب کتابیں لکھیں۔ بچو دیکھو اتنی کتابیں لکھنا کوئی معمولی بات نہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم سب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابیں پڑھیں اس سے آپ کا علم بھی بڑھے گا اور روحانیت بھی ملے گی۔ بڑی اعلیٰ اور معیاری علمی و دینی کتب ہیں، ان سے سب بچوں کو فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ اس کے علاوہ آپؑ نے سینکڑوں اشتہارات شائع فرمائے۔مخالفین اسلام باوجود اپنی کثرت، طاقت اور اثر ورسوخ کے آپؑ کے مقابلہ میں ہر جگہ ناکام ونامراد رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائی۔

بالآخر اسلام کی ایک بہت بڑی خدمت گزار اور مضبوط جماعت جو لاکھوں اشخاص پر مشتمل تھی اپنے پیچھے چھوڑ کر ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو بمقام لاہور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اپنے مولا کریم کے حضور حاضر ہوگئے۔ وفات کے قریب حضورؑ اپنے کام کی تکمیل کے طور پر ایک کتاب ''پیغام صلح'' لکھ رہے تھے۔ لاہور سے آپ علیہ السلام کا جنازہ قادیان لایا گیا اور بہشتی مقبرہ، جسے اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو خواب میں دکھایا تھا، میں آپ علیہ السلام کی تدفین عمل میں آئی۔

بچو آج کل جو زیادہ مخالفت ہماری جماعت کی ہو رہی ہے وہ صرف اور صرف ہمیں مسلمان نہ ماننے کی وجہ سے ہے۔ مگر دوسری طرف یہ تو ایک خدا کی جماعت ہے اور جیسا کہ آپ سب جانتے ہی ہیں کہ دن بدن باوجود مخالفت کے بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ مخالفین لاکھ روکیں ڈالتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان روکوں کو ہٹاتا چلا جا رہا ہے۔ ہمارا ایم ٹی اے بھی خدا کا ایک انعام ہے جو خاموشی سے ہر ملک، ہر شہر اور ہر گھر میں پہنچ کر تبلیغ احمدیت کر رہا ہے۔ بچو دُعائیں بہت کیا کرو اور کوشش بھی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ ایک بہت اچھا احمدی بننے کی توفیق دے۔ آمین۔ اللہ حافظ۔



پاکیزہ نصیحتیں



پیارے بچو! حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! مجھے نصیحت فرمائیے۔ آپؐ نے مجھے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کر کیونکہ تقویٰ تیرے سارے کاموں کو زینت بخشتا ہے اور اُنہیں سنوارتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ کچھ اور فرمائیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کریم کی تلاوت اور ذکر الٰہی کو ضروری قرار دے کیونکہ خدا تعالیٰ کا ذکر، آسمان میں تیرے ذکر کا موجب ہوگا اور زمین میں تیرے لئے معرفت کا سبب ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ کچھ اور فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا خاموشی اختیار کر کہ خاموشی شیطان کو بھگاتی ہے اور دین کے کاموں میں تیری مددگار ہوگی۔ میں نے پھر عرض کیا کہ کچھ اور فرمائیں تو آپ نے فرمایا کہ اپنے آپ کو زیادہ ہنسنے سے بچا اس لئے کہ زیادہ ہنسنا دِل کو مردہ کر دیتا ہے۔ میں نے پھر عرض کیا کہ کچھ اور فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا سچی بات کہہ خواہ کڑوی ہی کیوں نہ ہو۔ میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے تو آپ نے فرمایا دینی امور کے اظہار میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے مت ڈر۔ میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے۔ آپؐ نے فرمایا جب کسی کی عیب گیری کا خیال تیرے دل میں پیدا ہو تو اس کے اظہار میں تجھ کو تیرا یہ خیال روک دے کہ مجھ میں بھی کچھ عیب ہیں۔

کتنی پیاری نصیحتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک صحابیؓ کو بتا کر ہمیں زندگی کے اصول بتا دیئے۔ بچو سب کو کوشش کرنی چاہیئے کہ یہ باتیں اپنائیں اور اچھے بچے بن کر اسلام اور احمدیت کا نام روشن کرنے والے ہوں۔ آمین۔



مجاہد کا مزار



حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں کافروں کی دو بہت بڑی سلطنتیں تھیں۔ایک روم کی اور دوسری ایران کی۔روم کے شہنشاہ کو قیصر اور ایران کے شہنشاہ کو کسریٰ کہا جاتا تھا۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ ہمارا مقصد دوسروں کا مال و دولت چھین کر اپنی سلطنت قائم کرنا نہیں ہے۔ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ بے انصاف اور ظالم لوگوں نے جو کمزوروں پر حکومت کرنے کے غلط طریقے اپنا رکھے ہیں وہ ختم ہو جائیں اور جاہل انسانوں نے سچے خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجنے کا جو جھوٹا مذہب اپنا لیا ہے، اس کا خاتمہ ہو جائے۔

معمولی عقل کا انسان بھی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ یہ باتیں بہت ہی اچھی تھیں اور انہیں مان لینے میں بھلائی ہی بھلائی تھی۔لیکن جن ظالموں کو کمزوروں پر حکومت کرنے اور لوٹ مار کرنے کی عادت پڑ چکی تھی، انہوں نے اس بات پر ضد کی کہ انہیں ان کے غلط کاموں پر نہ ٹوکا جائے۔ وہ پہلے کی طرح من مانی کرتے رہیں۔

مکہ کے کافروں کے علاوہ روم اور ایران کے حاکموں نے بھی آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت مخالفت کی اور اس بات کیلئے پوری پوری کوشش کی کہ مسلمانوں کا نام ونشان مٹ جائے، لیکن وہ سب اپنی کوششوں میں ناکام ہوئے۔خدا کے فضل سے مسلمانوں کی طاقت بڑھتی ہی گئی، یہاں تک کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہی میں پورے عرب پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی اور حضورؐ نے یہ پیشگوئی فرما دی کہ ایک وقت آئے گا جب قیصر اور کسریٰ کی سلطنتیں بھی مٹ جائیں گی۔

حضورؐ نے مسلمانوں کو یہ اچھی خبر بھی سنائی کہ مسلمانوں کا جو لشکر قیصر روم کے دارالحکومت قسطنطنیہ کو فتح کرے گا اس میں شامل ہونے والے تمام غازی جنتی ہوں گے۔

حضورؐ کی اس پیشگوئی کے مطابق ۴۹ھ میں حضرت امیر معاویہؓ نے مجاہدوں کا ایک لشکر قسطنطنیہ کو فتح کرنے کیلئے روانہ کیا۔ اس لشکر میں حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی شامل تھے جن کا لقب میزبان رسولؐ ہے۔ یہ لقب انہیں اس لئے ملا تھا کہ جب ہمارے حضور مکہؐ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تھے تو آپؐ نے حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر قیام فرمایا تھا۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کافی بوڑھے ہو چکے تھے لیکن جہاد کے شوق میں میدان جنگ میں تشریف لے آئے تھے۔ مگر جب لڑائی شروع ہوئی تو آپؓ بیمار ہو گئے اور بیمار بھی ایسے سخت ہوئے کہ زندگی کی امید نہ رہی۔

جب انسان کی اپنی زندگی خطرے میں پڑ جائے تو وہ دنیا کی ساری باتیں بھول جاتا ہے۔ قاعدے کے مطابق حضرت ابوایوب انصاریؓ کا بھی یہی حال ہونا چاہئے تھا، لیکن وہ تو ایک مسلمان مجاہد اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی تھے۔ وہ موت سے کس طرح ڈر سکتے تھے۔ مرنے سے پہلے انہوں نے وصیت کی کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو تم میرا جنازہ تیار کر کے دشمن کے علاقے میں آگے بڑھنا اور جتنی دور تک جا سکو، اتنی دور جا کر مجھے دفن کر دینا۔ ان کے انتقال کے بعد مسلمانوں نے ایسا ہی کیا۔

مسلمان مجاہد حضرت ابوایوب انصاریؓ کے جنازہ کو لے کر لڑتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور بالآخر شہر قسطنطنیہ کی فصیل کے بالکل پاس پہنچ کر انہیں دفن کیا۔

قسطنطنیہ کو اب استنبول کہتے ہیں اور یہ ترکی کا بہت بڑا شہر ہے۔ یہاں آج بھی حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مزار موجود ہے اور روزانہ ہزاروں مسلمان اس کی زیارت کرنے آتے ہیں۔



گھوڑے کی قیمت



بہت دن پہلے کی بات ہے، مدینہ شریف میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی رہتے تھے۔ خدا نے اپنے خاص فضل سے انہیں بہت مال دیا تھا اور وہ بہت عزت اور آرام کی زندگی گزار رہے تھے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ انہیں ایک گھوڑے کی ضرورت پڑی۔ انہوں نے غلام کو بازار بھیجا کہ وہ کوئی اچھا سا گھوڑا خرید لائے۔

عربی گھوڑے ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ اس زمانہ میں گاؤں کے رہنے والے عرب بڑی محنت اور شوق سے گھوڑے پالا کرتے تھے۔ اور پھر شہر کی منڈی میں لا کر بیچ دیا کرتے تھے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی کا غلام بازار آیا تو کئی گھوڑے فروخت کیلئے موجود تھے۔ غلام نے ایک اچھی نسل کا گھوڑا پسند کیا اور مول تول کر کے خرید لیا۔ جب وہ گھوڑا لے کر آیا تو صحابیؓ نے بہت پسند کیا اور پھر اس کی قیمت پوچھی۔ غلام نے جواب دیا صرف تین سو درہم۔

غلام کو امید تھی کہ حضرت اس بات سے بہت خوش ہوں گے کہ میں ایسا عمدہ گھوڑا اتنی کم قیمت پر خرید کر لایا ہوں، لیکن اس کا جواب سن کر حضرت خاموش ہو گئے۔ جیسے انہیں گھوڑے کی قیمت سن کر کچھ افسوس ہوا ہو۔ پھر غلام سے فرمایا:

''بازار جاؤ اور اگر وہ سوداگر مل جائے تو اسے اپنے ساتھ لے کر آؤ۔''

یہ سن کر غلام بازار گیا اور تھوڑی دیر بعد سوداگر کو اپنے ساتھ لے آیا۔ حضرت نے سوداگر سے پوچھا: ''کیوں میاں! یہ گھوڑا تم نے اپنی خوشی سے فروخت کیا ہے یا کسی ضرورت کی وجہ سے بیچنے پر مجبور ہو گئے ہو؟''

سوداگر نے جواب دیا: ''جناب میں نے اپنی خوشی سے گھوڑا فروخت کیا ہے۔ کسی نے مجھے مجبور نہیں کیا۔''

صحابی نے کہا: ''اگر یہ بات ہے تو پھر تم نے ایسے عمدہ گھوڑے کی اتنی کم قیمت کیوں لی؟ کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ یہ گھوڑا بہت اچھی نسل کا ہے اور اس کی قیمت کسی بھی طرح سے 500 درہم سے کم نہیں ہونی چاہیئے۔''

یہ فرما کر حضرت نے سوداگر کو دو سو درہم اور دیئے اور وہ بھولا بھالا سوداگر جو تین سو درہم لے کر ہی خوش ہو گیا تھا، دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔

دیکھو بچو! اس سوداگر کی نیکی، صبر اور رضا کا اعلیٰ نمونہ جو خدا تعالیٰ کو بھی کتنا پسند آیا کہ بہت جلد اس کا انعام اس کو گھوڑے کی زیادہ قیمت ملنے کی صورت میں حاصل ہو گیا۔



مفلس کون؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ تم مفلس کس کو سمجھتے ہو؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ جس کے پاس پیسہ اور مال ومتاع نہ ہو وہ مفلس ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز نماز، زکوٰۃ، روزہ اور ہر قسم کی نیکیاں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے کر حاضر ہو گا لیکن حالت یہ ہوگی کہ کسی کو گالی دی، کسی پر ناحق تہمت باندھی، کسی کا مال کھایا، کسی کا خون بہایا اور کسی کو مارا۔ اللہ تعالیٰ اس کی نیکیاں اُٹھا اُٹھا کر اہل حقوق کو دے دیں گے۔ جب نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو بقیہ اہل حقوق کے گناہ اٹھا اٹھا کر اس کے سر پر لا ددئے جائیں گے۔ اس کے بعد اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (مسلم)



حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ



آپ سب کو علم ہی ہوگا کہ حضرت امام حسینؓ کون تھے؟ آپؓ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے تھے اور حضورؐ کو بہت پیارے تھے۔ تاریخ اِسلام میں آپؓ کی شہادت کا واقعہ نہایت دردناک ہے جسے ہر مسلمان بچہ جانتا ہے۔ آپؓ کے بارہ میں چند باتیں آپؓ کی خوبیاں، قربانی اور بہادری کے علاوہ آپؓ کے اقوالِ زریں بھی اِس لمبی داستان میں درج ہیں جو آپ اب پڑھنے لگے ہیں، پڑھ کر حضرت امام حسینؓ کیلئے بہت دعا کرنا اور ہمیشہ کرتے رہنا۔

شہادت حسینؓ

پیارے بچو! حضرت امام حسینؓ کی شہادت کا ایک ایسا واقعہ ہے جس پر دینداری وخدا پرستی اور صداقت قیامت تک فخر کرتی رہے گی۔ حضرت حسینؓ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرور دو عالم کی جگر گوشہ حضرت فاطمہ الزہرہؓ کے فرزند اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے تھے جنہیں یزید کی فوجوں نے کوفہ کے گورنر ابن یزید کے حکم سے میدان کربلا میں ان کے 72 ساتھیوں سمیت ناحق شہید کر دیا تھا۔

بچو! مولویوں اور مفتیوں کا طریق اُس زمانے میں بھی ایسا ہی تھا کہ اکثر ارکان دین دنیا کے حصول اور جاہ کیلئے توڑ مروڑ لیا کرتے تھے۔ ابن یزید نے بھی آپؓ پر حملہ کرنے سے قبل اسی دور کے علماء وفقہاء سے آپؓ کے واجب القتل ہونے کا فتویٰ حاصل کر لیا تھا۔ پھر اس دور کے قاضی

القضاۃ کے ایمان کو اشرفیوں کی چند تھیلیوں کے بدلے خرید کر فتوے پر مہر تصدیق کرالی اور اس کے بعد شام کے مختلف قبائل سے فوج جمع کی کہ حضرت حسینؓ واجب القتل ہیں، خارج از اسلام ہیں لہٰذا ان کا قتل از روئے دین جائز ہوا۔ اور اس طرح وہ جو خود دین کا ایک عظیم ستون تھا اسے دین کے نام پر شہید کر دیا گیا۔

طاقت اور حکومتی اقتدار بس صرف اُن مسافروں اور بے کسوں کے جسموں پر ہی چل سکتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے چند ہی گھنٹوں میں ان مظلوموں کے سرتن سے جدا کر دیئے۔ حضرت حسینؓ آج بھی زندہ ہیں۔ اُن کا حق پرستی اور صداقت شعاری کا مشن آج بھی زندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن پر اپنی رحمتوں کی بارش برسائے۔

محتاجوں کے داتا

حضرت امام حسینؓ کے بچپن سے جوانی تک ایک بھی واقعہ ایسا نہیں ملتا جس سے ثابت ہو کہ کبھی آپؓ نے لغو مشاغل میں حصہ لیا ہو۔ بے ضرورت گفتگو کی ہو یا کسی کی ہاتھ یا زبان سے دل آزاری کی ہو...... آپؓ کا بچپن نہایت پاکیزہ، لڑکپن احتیاط کے خاص پہلو لئے ہوئے اور جوانی انتہائی بے داغ گزری..... باوجودیکہ آپؓ دین و دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ کے نواسے تھے مگر آپؓ کی انکساری کا یہ عالم تھا کہ انتہائی غریب اور مسکین لوگوں کے ساتھ گھل مل کر باتیں کرتے جیسے وہ اُن کیلئے خاص اہمیت رکھتے ہوں۔ غریب تو غریب فقراء کو بھی آپؓ اپنی مجلس میں بلاتے اور اُن کے ساتھ بیٹھ کر ایک دستر خوان پر کھانا تناول فرماتے۔ اگر کسی سے کوئی قصور سرزد ہو جاتا تو آپؓ اس کو بڑی فراخدلی سے معاف فرما دیتے۔ فیاضی کا یہ عالم تھا کہ کوئی سائل آپؓ کے دروازے سے محروم نہ جاتا۔

خطبات حسینؓ

حضرت امام حسینؓ فرماتے ہیں:

''.....اے خدا کے بندو! خدا کے محاسبہ سے ڈرو۔ اور دُنیا کی خرافات سے بچنے کی کوشش کرو۔ اگر یہ دنیا کسی کے لئے باقی رہتی یا اُس میں کوئی شخص باقی رہتا تو انبیاء یہاں کی دوامی زندگی کے سب سے زیادہ مستحق تھے بلکہ یہی افراد خدا کی طرف سے دلجوئی اور اس کی بخششوں کے فیضان اور استفادہ کے بہترین اہل تھے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ اس دنیا کو خدا نے آزمائش کیلئے پیدا کیا ہے اور اس کی تمام مخلوقات کیلئے فنا ہے۔ دیکھو یہاں کی ہر چیز پرانی ہونے والی ہے اور اس کی تمام چیزیں فانی ہیں۔ دنیاوی مسرت و خوشی عارضی ہے۔ خوب سمجھ لو کہ تم کو اپنی منزل پر پہنچنا لازمی ہے اور یہ مادی گھروندہ بھی عارضی ہے۔ ہاں اپنے آئندہ سفر کے لئے توشہ بناؤ۔ بہترین زادراہ تقویٰ و نیکی ہے۔ خدا سے ڈرو کہ تمہیں فلاح و نجات نصیب ہو''۔

امام عالی مقام سیدنا حضرت امام حسینؓ نے ایک دفعہ فرمایا:

''..... کیا تم جانتے ہو کہ سب سے زیادہ فیاض کون شخص ہے۔ صرف وہی جو سلوک بھی کرے تو ایسے لوگوں کے ساتھ جن سے اُسے کوئی اُمید اور آس نہ ہو۔ دیکھو تم جانتے ہو کہ سب سے زیادہ معاف کرنے والا کون ہے۔ صرف وہی جو سزا دینے کی قدرت رکھتا ہو۔ مگر پھر بھی معاف کردے۔ اس طرح سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہے جو قطع تعلق کرنے والوں سے بھی صلہ رحمی کرے۔''

ارشادات حضرت امام حسینؓ

..... ظلم خواہ ضعیف کی جانب سے ہو یا قوی سے ہر حال میں اس کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ ظلم ہے اور صداقت ہر حال میں یکساں اور غیر متزلزل ہے۔

..... جو کسی کے ساتھ احسان کرتا ہے خدا اس کے ساتھ احسان کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

..... جو شخص اپنے بھائی کی کوئی دنیاوی تکلیف دور کرتا ہے خدا اس کی آخرت کی تکلیف دور کرتا ہے۔

..... لوگو! جس نے سخاوت کی وہ سردار ہوا۔ جس نے بخل کیا وہ ذلیل ہوا۔



محمد بن قاسم



اکثر بچوں کو ایسی کہانیاں سنانی چاہئیں جن سے کسی قسم کی جوانمردی اور بہادری کی داستان جڑی ہو۔ آج میں آپ کو محمد بن قاسم، جو ایک مشہور بہادر سپاہی کے نام سے تاریخ اسلام میں مشہور رہیں، کا یہ واقعہ سناتی ہوں۔ آپ ضرور اس سے سبق لینا اور اپنے بلند حوصلے سے اسلام کی اور احمدیت کی خدمت کرنا۔ اللہ آپ سب کے ساتھ ہو۔ آمین۔

محمد بن قاسم ہندوستان کا وہ پہلا کم عمر سپہ سالار ہے جس نے صرف سترہ برس کی عمر میں اپنی دانائی، منصف مزاجی بہادری اور حسن سلوک سے نہ صرف سندھ کو فتح کیا بلکہ ساتھ ہی اس کے باسیوں کے دلوں کو بھی فتح کر لیا اور تاریخ کے ایک ایسے باب کی بنیاد رکھی جس نے فرزندان اسلام کیلئے برصغیر کے دروازے کھول دیئے۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب عرب تجارت کے میدان میں دنیا کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے تھے۔ عرب تاجر خلیج فارس اور بحیرہ عرب کے راستے تجارت کرتے تھے اور بہت سے تاجر تو دوسرے مشرقی ملکوں میں آباد بھی ہو گئے تھے۔

ایک دفعہ لنکا سے ایک بحری جہاز بصرہ جا رہا تھا۔ اس پر مالِ تجارت اور تحائف کے علاوہ وہ لوگ بھی سوار تھے جن کے ورثا لنکا میں فوت ہو چکے تھے۔ اس جہاز کو سندھ کے بحری قزاقوں نے

لوٹ لیا اور بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کو یرغمال بنالیا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے گورنر حجاج بن یوسف کو ملی اس نے سندھ کے راجہ ''داہر'' کو ایک خط لکھا کہ قیدیوں کو رہائی دلواؤ۔ ان کے مال واسباب واپس کراؤ اور ڈاکوؤں کو سزا دو۔ راجہ داہر نے جواب میں بڑی رعونت سے یہ جواب دیا کہ وہ ڈاکوؤں کا کوئی انتظام نہیں کرسکتا اس پر خلیفہ نے سندھ پر حملہ کرنے کی اجازت دے دی۔ حجاج نے اپنے بھتیجے اور داماد محمد بن قاسم کی سربراہی میں چھ ہزار فوج راجہ داہر کی گوشمالی کے لئے بھیج دی۔ نوجوان سپہ سالار نے سندھ پہنچتے ہی سب سے پہلے دیبل کو فتح کیا اور مسلمان قیدیوں کو چھڑا کر عرب بھیج دیا۔ اس کے بعد ارد گرد کے چھوٹے چھوٹے علاقوں اور شہروں کی فتوحات کا سلسلہ چل پڑا۔

یہاں تک کہ راجہ داہر کی ساٹھ ہزار فوج جس میں جنگی ہاتھی بھی شامل تھے میدان مقابلہ میں اتر پڑے۔ لیکن مسلمان عسکریوں کی شجاعت نے ان کے منہ موڑ دیئے اور داہر کا لشکر شکست فاش سے دوچار ہوا۔ ۲۰ جون ۷۱۲ء کو راجہ داہر مارا گیا۔ عرب کا سب سے کم عمر مسلمان جرنیل اپنی جرأت اور حکمت و دانش مندی سے فتحیاب ہوا۔ اور ایک وسیع و عریض مملکت اسلام کے زیرنگیں آ گئی۔

فتح سندھ کے بعد محمد بن قاسم نے ملک کا انتظام اس احسن رنگ میں کیا کہ رفتہ رفتہ لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ لیکن فوج کی راہنمائی کا اکثر کام محمد بن قاسم نے معتمد ہندوؤں ہی کے سپرد کر رکھا تھا۔ اس نے پنڈتوں اور پروہتوں کا احترام کیا۔ ہر ایک کو مکمل مذہبی آزادی دی، انہیں حکومت کے معاملات میں شریک کیا۔ یہی وجہ تھی کہ جب خلیفہ وقت کے بلاوے پر محمد بن قاسم واپس جانے لگا تو ہندو شہری اس کی جدائی کے تصور میں روتے تھے۔

محمد بن قاسم فتح کے جھنڈے لہراتا ہوا جب ملتان پہنچا تو اُسے اطلاع ملی کہ اس کا چچا حجاج مر چکا ہے۔ اور اس کے ساتھ اسے یہ حکم بھی موصول ہوا کہ تم جہاں ہو وہیں رک جاؤ۔ آگے نہ بڑھو اور کمان چھوڑ کر واپس آجاؤ۔ محمد بن قاسم نے حکم کی تعمیل کی۔ اس وقت عراق کا گورنر ایک کم فہم شخص

تھا۔ جو حجاج کے خاندان کے بارے میں اچھے خیالات نہ رکھتا تھا۔ اس نے محمد بن قاسم کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ جہاں یہ عظیم فاتح کم فہم لوگوں کی عداوت کی بھینٹ چڑھا اور اسیری کے دوران ہی اکیس، بائیس سال کی عمر میں وفات پا گیا۔

دیکھا بچو! محمد بن قاسم کی غیرت اسلامی قابل تحسین ہے جو کہ اتنی چھوٹی عمر میں ہی اس دنیا میں اتنا بڑا کام کر گیا۔



نیک اور بُرے ساتھی



حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''نیک ساتھی اور بُرے ساتھی کی مثال ان دو شخصوں کی طرح ہے جن میں سے ایک کستوری اٹھائے ہوئے ہو اور دوسرا بھٹی جھونکنے والا ہو۔ کستوری اٹھانے والا تجھے مفت خوشبو دے گا یا تو اُس سے خرید لے گا۔ ورنہ کم از کم تو اُس کی خوشبو اور مہک تو سونگھ ہی لے گا اور بھٹی جھونکنے والا یا تو تیرے کپڑے جلا دے گا یا اس کا بدبودار دھواں تجھے تنگ کرے گا۔'' (صحیح مسلم کتاب البرّ والصلہ)

یہ تو سبھی بچے جانتے ہیں کہ ہر اچھی چیز یا کام کا آغاز بسم اللہ پڑھ کر کرتے ہیں تو برکت ہوتی ہے اور آپ سب نے یہ تجربہ کر کے بھی دیکھا ہوگا۔

تو دیکھا بچو! کتنی اچھی مثال ہے نیک اور بُرے ساتھی کی جو ہمیں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بتا دی۔ اِس لئے آپ کو چاہیئے کہ ہمیشہ اچھے دوست اور ساتھی کا انتخاب کرو۔ کلاس میں بھی اچھے لڑکے یا لڑکیوں کے ساتھ بیٹھو۔ کھیل کود میں بھی ایسا ہی کیا کرو۔ جھگڑا کرنے والے اور گندے یا گالیاں دینے والے لڑکوں سے دور رہو۔ ان سے ہرگز دوستی نہ کرو وگرنہ بدصحبت کا اثر ضرور آپ پر بھی پڑے گا۔ ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے بچوں کو نیک بنائے اور نیکی پر چلائے۔ چونکہ یہ کہانیوں کی کتاب بچوں کیلئے لکھ رہی ہوں اس لئے سب سے پہلے یہی سوچ کر یہ حدیث اُوپر لکھ دی ہے جس میں کسی کے اچھے یا بُرے انسان بننے کی نشان دہی کی گئی ہے۔

پیارے بچو! اللہ سب کا حافظ ہو، آپ کو نیک فرمانبردار اور اچھے احمدی بچے بنائے۔ آمین۔

تربیت کو مدنظر رکھ کر جب میں نے یہ کتاب لکھنے کی ضرورت محسوس کی اور کوشش شروع کی تو سب سے پہلے میرے دل نے یہ کہا کہ یہ تو بہت اہم اور مشکل کام ہے۔ تربیت تو تبھی کوئی کرسکتا ہے کہ خود اپنے آپ کو بھی کچھ تربیت کا مفہوم سمجھ آتا ہو اور آپ کی تربیت بھی اچھے ماحول اور گھرانے میں ہوئی ہو تو شاید کوئی بات لکھ یا بتا سکوں۔ لہٰذا میں نے کافی روز دعا کر کے اور قرآن پاک کو بکثرت پڑھتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا کہ مکمل انسان تو صرف ایک ہی تھے جو ہمارے ہادی کامل سرورِ کائنات اور فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے۔ جن کے اعلیٰ اخلاق ہمدردی، مہمان نوازی، خدا کی عبادت، امانت، صداقت وشجاعت ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ آپ ؐ صبر و رضا، حسن و احسان کے پیکر تھے۔ ہر خوبی آپ ؐ میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ آپ ؐ کے اعلیٰ کردار اور اخلاق کے بارہ میں آپ ؐ کی زوجہ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا:

کان خلقه القرآن یعنی آپ ؐ کے اخلاق قرآن پاک کے عین مطابق تھے۔

اب بچو یہ تو آپ سبھی جانتے ہیں کہ قرآن کریم ایک مکمل کتاب ہے ہر قسم کی تعلیم اس میں موجود ہے۔ تو بچو اگر آپ کچھ بھی جاننا چاہتے ہیں اور برکتیں حاصل کرنا چاہتے ہیں تو میری ایک بات یاد رکھیں کہ بچپن سے ہی جب آپ کے ابو امی یا اُستاد قرآن پاک پڑھنا سکھا دیں تو اس پر ہی اکتفا نہ کریں کہ آپ نے قرآن ختم کر لیا بس! اور ''آمین'' بھی ہوگئی۔ نہیں بالکل نہیں۔ یہ تو صرف ایک پہلی سیڑھی ہے۔ اس خزانے کو پانے کی جس کی تمام تر منزلیں رسول پاک ؐ کے مبارک وجود میں موجود تھیں اور اب یہی خزانہ ہمارے پاس احادیث کی صورت میں بھی موجود ہے۔ تو بچو قرآن مجید کا ترجمہ جو آپ کی خوش قسمتی ہے کہ قریباً 70 زبانوں میں جماعت احمدیہ کی طرف سے کروایا گیا ہے، طبع ہو کر موجود ہے۔ آپ اس کو بھی حاصل کرو اور ہر روز بلا ناغہ تلاوت کیا کرو۔

اچھا تو سب سے پہلے میں آپ کو سورۃ المنافقون کی آیت نمبر ۱۰ بتاتی ہوں:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ

اللّٰہِ ۚ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ○

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں اور جو ایسا کریں تو یہی ہیں جو گھاٹا پانے والے ہیں۔''

قرآن مجید کی ایک اور آیت سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مال و دولت اور اولاد آزمائش ہیں۔اس بارے میں ہمیں ڈرنا چاہیئے کہ ہم اس آزمائش میں مبتلا ہو کر اس حکم کی خلاف ورزی کرنے والے نہ بن جائیں۔

فرمایا:

وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اَمۡوَالُکُمۡ وَاَوۡلَادُکُمۡ فِتۡنَۃٌ (الانفال آیت نمبر ۲۹)

''اور جان لو کہ تمہارے اموال اور تمہاری اولاد محض ایک آزمائش ہیں۔''

اسی طرح سورۃ سبا میں ۳۸ نمبر کی آیت بھی یہی پتہ دیتی ہے اور ہمیں سبق حاصل کرنے کیلئے اس پر بھی غور اور توجہ دینی چاہیئے۔فرمایا:

وَمَاۤ اَمۡوَالُکُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ بِالَّتِیۡ تُقَرِّبُکُمۡ عِنۡدَنَا زُلۡفٰۤی

''اور تمہارے اموال اور تماری اولادیں ایسی چیزیں نہیں جو تمہیں ہمارے نزدیک مرتبہ قرب تک لے آئیں۔''

دیکھا بچو! کتنی بڑی ذمہ داری والدین کی بھی ہے کہ اپنے بچوں کی اچھی تربیت کر کے ان کو نیک اور اچھے بچے بنائیں۔اپنے بچوں پر فخر نہ کریں کہ اتنے ہیں اور اتنے خوبصورت ہیں اور اتنے امیر اور خوشحال ہیں بلکہ اصل چیز تو ان کی تربیت کرنا ہے۔تکبر اور بڑائی کس بات کی! کسی چیز پر بھی ناز نہ کریں۔نہ اِترائیں، نہ گھمنڈ کریں۔اولاد اور دولت یہ سب خدا تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتیں ہوتی ہیں۔اس لئے خدا سے ڈرتے رہنا چاہیئے کہ کبھی آزمائش نہ بن جائیں۔بچو آپ بھی سمجھدار ہیں۔قرآن پاک کی تلاوت کرنے اور مطالب سمجھنے سے آپ جان جائیں گے اور خود بھی ان پر عمل

کر کے کافی اچھے کام کریں گے۔انشاء اللہ۔

بچوا ب میں آپ کو تلاوت کرنے کے بارہ میں بھی کچھ بتاتی ہوں کہ ہر برکت اور انعام اس کتاب یعنی قرآن پاک میں ہے۔ بچو آپ اپنی امی سے سنتے ہوں گے کہ یہ اللہ میاں کی کتاب ہے اور یہ نظم بھی اُمیّ نے یاد کرائی ہوگی کہ ''اللہ میاں کا خط ہے جو میرے نام آیا'' اور آپ بھاگتے دوڑتے اس نظم کو یاد کرتے ہوں گے۔کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ نظم کس کی ہے؟ آپ کے علم میں بھی مزید اضافہ کردوں ۔ یہ نظم حضرت میر محمد اسماعیل صاحب ؓ کی ہے۔آپ حضرت چھوٹی آپا جان مرحومہ، جو حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی ؓ کی بیگم تھیں، کے والد محترم تھے،آپ ؓ نے یہ اس وقت لکھ کردی تھی جب کہ چھوٹی آپا جان چھ سال کی تھیں۔

قرآن کریم ایک مکمل کتاب ہے جو تمام علوم کا خزانہ ہے۔اس کو اچھی آواز سے اور صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنے کا حکم بھی احادیث سے ملتا ہے۔ایک حدیث لکھ دیتی ہوں:

عَنْ بَشِیْرِ بْنِ عَبْدِ الْمنُنْذِرِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ فَلَیْسَ مِنَّا ۔

(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب کیف لیستحب الترتیل فی القراءۃ صفحہ ۲۰۷)

حضرت بشیر بن عبدالمنذر ؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قرآنِ مجید خوش الحانی سے اور سنوار کر نہیں پڑھتا اُس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

اِس سلسلہ میں ایک اور حدیث یاد آ گئی:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِہٖ شَیْءٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ کَالْبَیْتِ الْخَرِبِ۔

(ترمذی فضائل القران باب مَا جَآءَ فِی مَنْ قَرَأَ حَرْفًا صفحہ 347)

یعنی حضرت ابن عباس ؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس کو قرآن کریم کا

کچھ بھی حصہ یاد نہیں وہ ویران گھر کی طرح ہے۔

دیکھو بچو! کتنی ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۔قرآن کریم کے اچھی طرح نہ پڑھنے کو اور قرآن کے کچھ حصے کو یاد نہ کرنے کو کتنا ناپسند فرمایا ہے۔

اسی لئے جن کو خدا نے اچھی آواز سے نوازا ہو اُن کو چاہیئے کہ بکثرت تلاوت کریں اور مسحور کرنے والی تلاوت کیا کریں اور اس پیاری کتاب کے معنوں کو بھی سمجھ کر پڑھا کریں۔

پتہ ہے بچو! قرآن کریم میں بھی بہت کہانیاں ہیں مگر یاد رہے کہ وہ کہانیاں بڑی سبق آموز ہیں ۔قوموں کے رسم و رواج ، بگڑنے اور سدھرنے کے متعلق انبیاء کے قصّے اکثر تو آپ کو آپ کی اُمّی جان یا نانی جان یا دادی جان نے ضرور سنائے ہوں گے۔مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ایک بچھڑا بنا کر اس کی عبادت کرنے کا ذکر اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی قربانیاں اسی طرح حضرت مریمؑ ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ، حضرت ایوبؑ ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ اور بہت سے نبیوں کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔اگر آپ قرآن کا ترجمہ پڑھو گے تو یقین کرو کہ بہت ہی مزا آئے گا اور آپ کا دل چاہنے لگے گا کہ آپ آگے آگے اور پڑھتے جائیں اور اپنے دوستوں کو بھی بتائیں کہ وہ بھی قرآن مجید کی میٹھی اور سبق آموز روحانی اور ایمان افروز کہانیاں پڑھ کر اپنے دل و دماغ کو روشن اور معطر کریں۔

پھر صحابہ رضوان اللہ علیھم نے ہم تک احادیث پہنچا کر ہر قسم کی تعلیم اور تربیت کر ڈالی۔رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں سے بیحد محبت و پیار کرتے تھے اپنے نواسوں حضرت امام حسینؓ اور حضرت امام حسنؓ سے پیار کئی احادیث اور واقعات میں آپ نے پڑھا یا بزرگوں سے سنا ہوگا۔ان کی تربیت بھی نہایت اعلیٰ اسلامی تعلیم کے مطابق تھی ۔آپ کو خدا کے فرمانبردار اور نیک بنانے کی فکر لاحق تھی۔اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنی ساری اولاد کیلئے دعائیں کیں اور پھر

نظمیں بھی لکھی ہیں ۔نہایت درد سے اپنے بچوں کیلئے دعائیں کیں اور فرمایا کہ میں روز اپنے بچوں کیلئے نماز میں دعائیں کرتا ہوں ۔حالانکہ آپ کو کیا ڈر تھا۔آپ کی اولاد جو کہ پنج تن پاک ہے ان کے خراب ہونے کا ہرگز فکر نہ ہونا چاہیئے تھا مگر دعا بچوا یسی چیز ہے کہ سب ماں باپ کو اور بچوں کو بھی با قاعدہ اور ہمیشہ کرتے رہنا چاہیئے ۔اس سلسلہ میں درثمین میں سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چند دعائیہ اشعار ہیں، جو میں درج کر دیتی ہوں:

کر ان کو نیک قسمت دے ان کو دین و دولت
کر ان کی خود حفاظت ہو ان پہ تیری رحمت
دے رشد اور ہدایت اور عمر اور عزت
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
اے میرے دل کے پیارے اے مہرباں ہمارے
کر ان کے نام روشن جیسے کہ ہیں ستارے
یہ فضل کر کہ ہوویں نیکو گوہر یہ سارے
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۳۰۹ پر ایک خوبصورت تحریر درج ہے جو پڑھ کر میں نے سوچا کہ والدین کو بھی پڑھنے کو کہوں کیونکہ ماں باپ کو بچوں کی تربیت کا بہت فکر ہوتا ہے اور چاہتے ہیں کہ ہم ہر ممکن کوشش کر کے اپنے بچوں کو بہترین اخلاق کا مالک بنا دیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''ہدایت اور تربیت حقیقی خدا کا فعل ہے ۔سخت پیچھا کرنا اور ایک امر پر اصرار کو حد سے گزار دینا یعنی بات بات پر بچوں کو روکنا اور ٹوکنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا ہم ہی

ہدایت کے مالک ہیں۔اور ہم اس کو اپنی مرضی کے مطابق ایک راہ پر لے آئیں گے۔یہ ایک قسم کا شرکِ خفی ہے۔اس سے ہماری جماعت کو پرہیز کرنا چاہیئے ..... ہمارے مدرسہ میں جو اُستاد مارنے کی عادت رکھتا ہے اور اپنے اس ناسزا فعل سے باز نہ آتا ہو اُسے یکلخت موقوف کردو۔"

اسی طرح فرمایا:

"ہم تو اپنے بچوں کیلئے دعا کرتے ہیں اور سرسری طور پر قواعد اور آداب تعلیم کی پابندی کراتے ہیں بس اس سے زیادہ نہیں۔اور پھر اپنا پورا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھتے ہیں جیسا کہ کسی میں سعادت کا تخم ہوگا۔وقت پر سرسبز ہو جائے گا۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ ۳۰۹)

پیارے بچو! آپ نے قرآنی تعلیم میں بہت سی کہانیاں تو پڑھ ہی لی ہوں گی یا سُن لی ہوں گی اور آپ کی کافی تربیت تو خود بخود ایسے اچھے ماحول میں ہو رہی ہوگی جس میں ہر وقت کوئی نہ کوئی اچھی بات، واقعہ، قصہ بتایا یا سنایا جاتا ہوگا۔بچے جب چھوٹے ہوتے ہیں تو اُن کے ذہن میں سوال بھی بڑے چھوٹے اور دلچسپ اُن کی سمجھ کے مطابق آتے ہیں جن میں سب سے پہلے تو بچے یہی سوال کرتے ہیں کہ اللہ میاں کہاں رہتے ہیں اور کیسے ہیں اور نیچے کیوں نہیں آتے وغیرہ وغیرہ۔ ہے نا درست بات ! سب والدین کو یہ تجربہ ہوا ہوگا۔جب اُمیّ ابو یہ سب اچھی باتیں پیار سے باتوں باتوں میں اپنے نونہالوں کو گود میں لیکر سمجھا دیتے ہیں تو اگلا سبق شروع ہو جاتا ہے۔سب سے پہلی بات جو ہم اپنے بچوں کو سکھائیں یا دلوں میں گاڑ دیں وہ یہی ہے کہ کہنا مانیں اپنے بڑوں کا ،اُستادوں کا اور والدین کا۔یہ سب سے اہم اور ضروری بات ہے۔اگر آپ کا بچہ یعنی ہمارا بچہ یہ سیکھ گیا تو گویا آپ نے یہ سکھا کر ایک بڑا کارنامہ کر ڈالا ہے جو ساری عمر آپ کو راحت، سکون اور عزت ہی دے گا۔اب آتی ہے اگلی بات کہ ہم نے بچے کو یہ سکھانا ہے کہ کبھی ہرگز ہرگز جھوٹ نہ بولیں

کسی بھی قیمت پر، کسی بھی حالت میں ہوں مگر سچ کا دامن نہ چھوڑیں۔ اس سلسلہ میں کئی واقعات جو آپ کو کہنا ماننے کے سلسلہ میں پیش آئے ہوں وہ ضرور سنائیں۔ میں بھی ایک کہانی صرف ایک کہانی سناؤں گی وگرنہ بہت سے قصّے اور کہانیاں اور آپ بیتیاں آپ کو یاد ہوں گی۔ اس کہانی سے کہنا ماننے کی برکت اور فرمانبرداری کے معنے صاف صاف سمجھ میں آجائیں گے۔



خدا کسی کی نیکی ضائع نہیں کرتا



پیارے بچو! ملفوظات بھی پڑھتے رہنا چاہئے۔ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک بڑی پیاری بات لکھی ہے کہ:

''خدا کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا''

حضور علیہ السلام لکھتے ہیں:

''ہمیں اس خدا کی ہی پرستش کرنی چاہیئے جو کہ ذرا سے کام کا بھی اجر دیتا ہے۔ خدا وہ ہے کہ انسان اگر کسی کو پانی کا گھونٹ بھی دیتا ہے تو وہ اس کا بھی بدلہ دیتا ہے۔ دیکھو ایک عورت جنگل میں جارہی تھی راستہ میں اُس نے ایک پیاسے کتے کو دیکھا۔ اس نے اپنے بالوں کا رسہ بنا کر کنوئیں سے پانی کھینچ کر اس کتے کو پلایا۔ جس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے عمل کو قبول کرلیا ہے۔ وہ اُس کے تمام گناہ بخش دے گا اگرچہ وہ تمام عمر فاسقہ رہی ہے۔''



خادم کے آرام کا خیال



ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کے سب سے بڑے حاکم خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے ان کا ایک دوست ملنے آیا جس کا نام رجاء بن حیات تھا۔خلیفہ حکومت کے کاموں سے نمٹنے کے بعد اسے اپنے ساتھ اس کمرے میں لے گئے جس میں رات کے وقت آرام کیا کرتے تھے۔

خادموں نے خلیفہ کے حکم کے مطابق مہمان کا بستر بھی اسی کمرے میں بچھا دیا اور خلیفہ کا خاص خادم بھی اس انتظار میں بیٹھ گیا کہ وہ سو جائیں تو وہ خود بھی آرام کرے۔لیکن ہوا یہ کہ دونوں دوست بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔خادم کو بیٹھے بیٹھے نیند آ گئی اور وہ اسی جگہ سو گیا۔

اتفاق ایسا ہوا کہ اس چراغ کا تیل ختم ہو گیا۔خلیفہ نے یہ دیکھا تو یہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھے کہ چراغ میں تیل ختم ہو گیا ہے۔ہم اس میں تیل ڈال دیں۔

رجاء بن حیات نے یہ بات سنی تو حیران ہو کر بولے ''حضور! خود چراغ میں تیل ڈالیں گے؟ یہ کام تو حضور کے خادم کو کرنا چاہئے۔حضور اسے حکم کیوں نہیں دیتے؟''

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: ''بے شک یہ کام خادم ہی کیا کرتا ہے۔لیکن اس وقت وہ سو رہا ہے۔ہمیں یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ اسے بے آرام کریں۔''

رجاء بولے: ''تو پھر حضور مجھے اجازت دیں۔میں چراغ میں تیل ڈال دیتا ہوں۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: ''نہیں، یہ کام تو ہم خود ہی کریں گے۔مہمانوں سے کام کروانا اصول کے خلاف ہے۔گھر کے کام گھر کے مالک کو ہی کرنے چاہئیں۔''

یہ کہہ کر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے ہاتھ سے چراغ میں تیل ڈالا اور پھر اپنے دوست سے فرمایا: ''بھائی تم دیکھ رہے ہو کہ چراغ میں تیل ڈالنے سے پہلے بھی ہم عمر بن عبدالعزیز تھے اور تیل ڈالنے کے بعد بھی عمر بن عبدالعزیز ہی ہیں۔''

اس حکایت سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمارے بزرگ اپنے خادموں کے آرام کا بھی اس طرح خیال کرتے تھے اور بڑے سے بڑے عہدے پر ہوتے ہوئے بھی اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو اپنی عزت کے خلاف نہیں سمجھتے تھے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم بھی ان کے اچھے طریقوں کو اپنائیں۔ سچ یہ ہے کہ انہی اچھائیوں کی وجہ سے اللہ پاک نے اُن کو ایسی شان اور عزت دی تھی۔



بڑے باپ کا بڑا بیٹا



ایک دفعہ کا ذکر ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز سارا دن حکومت کا کام کرتے رہے۔ ظہر کی نماز کے بعد آپ نے ارادہ کیا کہ تھوڑی دیر آرام کرلیں، کیونکہ آپ بہت زیادہ تھک گئے تھے۔

ابھی بستر پر لیٹے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ آپ کا بیٹا جس کا نام عبد الما لک تھا آپ کے کمرے میں آیا اور آپ کو جگا کر بولا:

''ابا جان آپ آرام کر رہے ہیں اور باہر بہت سے فریادی آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ آپ باہر تشریف لائیں اور ان کی فریاد سنیں۔''

بیٹے کی یہ بات سن کر حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا:

''بیٹا سارا دن کام کرنے کی وجہ سے میں بہت زیادہ تھک گیا ہوں۔ ان لوگوں سے کہو کہ تھوڑی دیر انتظار کریں، میں آرام کر کے ان کی باتیں سنوں گا۔''

عبد الما لک بولا:

''ابا جان! آپ بے شک بہت زیادہ تھک گئے ہیں۔ لیکن اس بات پر تو غور فرمائیے اگر اسی حالت میں آپ کو موت آ گئی تو خدا کو اس بات کا کیا جواب دیں گے کہ لوگ فریاد لے کر آپ کے پاس آئے تھے اور آپ ان کے مقدموں کا فیصلہ کرنے کی بجائے سوتے رہے تھے۔''

حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے بیٹے کی یہ بات سنی تو فوراً بستر سے اٹھ گئے اور اس کی پیشانی چوم لی اور فرمایا:

بیٹا! تمہاری یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ انسان کی زندگی کا کچھ اعتبار نہیں۔ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ کون سا سانس اس کا آخری سانس ہو۔ اچھا طریقہ یہی ہے کہ اپنا فرض ادا کرنے کے بعد آرام کرنا چاہئے۔''

یہ فرما کر آپ باہر تشریف لائے اور فریاد کرنے والوں کی باتیں سن کر ان کے مقدموں کا فیصلہ کیا۔ (حکایات گلستان)



خدا ہمیں دیکھ رہا ہے



قرآن مجید میں آتا ہے کہ جو کچھ ہم عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُسے دیکھتا ہے۔
پیارے بچو! میں آج آپ کو ایک ایسی کہانی سناتی ہوں جس سے آپ سمجھ لیں گے کہ ایک چھوٹے سے بچے نے کیسے اپنے باپ کو چوری کرنے سے ہٹایا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک آدمی پھل چوری کرنے کیلئے ایک باغ میں گیا۔ اُس کا ایک چھوٹا سا لڑکا بھی اُسکے ساتھ تھا تا کہ وہ اُس کی مدد کرے۔ جب آدمی خود دیوار پار کر کے باغ میں جانے لگا تو اُس نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ اگر کوئی اس طرف آتا ہوا دکھائی دے تو مجھے جلدی سے بتا دینا۔ تا کہ میں واپس آ جاؤں۔ لڑکے کا باپ اطمینان سے چلا گیا تا کہ جو پھل وہ چاہتا تھا، حاصل کرے۔ اچانک اُس کا لڑکا چلایا، اور بولا:

''اے باپ! واپس لوٹ آؤ۔ یہاں ایک ایسا بھی ہے جو ہمیں دیکھ رہا ہے۔''

وہ آدمی دوڑتے ہوئے اپنے بیٹے کے پاس آ گیا اور پوچھنے لگا کہ ہمیں کون دیکھ رہا ہے؟

لڑکے نے کہا: ''اللہ ہم سب کو دیکھ رہا ہے اور ہم جو کام بھی پوشیدہ یا ظاہر طور پر کرتے ہیں وہ اُسے جانتا ہے۔''

اپنے بیٹے سے یہ بات سن کر وہ آدمی سخت شرمندہ ہوا اور دل میں عہد کیا کہ آئندہ کبھی چوری نہ کرے گا۔

دیکھا بچو! کیسا ہونہار بچہ تھا حالانکہ یہ سبق تو اُس کے باپ نے ہی بچپن میں تربیت کرتے ہوئے اُسے سکھایا تھا اور آج وہی بچہ اپنے باپ کو چوری کرنے سے روکنے میں کامیاب ہو گیا۔

عمدہ اخلاق



ایک بات جو بچوں نے ضرور سنی اور پڑھی ہوگی کہ عمدہ اخلاق سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے احادیث سے بھی ہمیشہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عزّت بھی عمدہ اخلاق اور اچھے کردار سے ہی ملتی ہے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ کبھی کوئی ایسی بات یا حرکت نہ کرے کہ اس کی عزت مٹی میں مل جائے۔

ایک انسان کو خوش گفتار، حلیم بردبار ہونا چاہیئے اور اس کا اخلاق اچھا ہونا چاہیئے تاکہ وہ ہر مصیبت پریشانی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے اور اپنے دشمن تک سے اچھا سلوک کرے۔ جس طرح ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دشمنوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ ان جیسی مثال دنیا میں نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے قیامت کے دن وہ شخص میرے قریب ہوگا جس کا اخلاق اچھا ہوگا اور جو سب سے زیادہ متقی ہوگا۔ بدزبانی سے انسان برا ہو جاتا ہے اور اپنی عزت صرف اسی بدفعلی کی وجہ سے کھو دیتا ہے اور اس کو بھی اسی طرح کا رویہ دوسروں سے ملتا ہے جیسا وہ دوسروں سے رویہ اختیار کرتا ہے۔ اپنے اخلاق اچھے بنانے چاہئیں۔ جس طرح خدا ہم کو اچھی صورت دیتا ہے تو ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے اخلاق بھی اچھے بنائیں۔

ایک اور ارشاد ہے کہ جو انسان بڑوں کا کہنا نہیں مانتا اور چھوٹوں سے پیار نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

ہمیں یہ باتیں صرف دوسروں تک ہی محدود نہیں رکھنی چاہئیں بلکہ خود بھی عمل کرنا چاہیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور ارشاد ہے کہ بدزبانی انسان کو دوزخ میں اوندھے منہ گرانے والی ہے۔ بدزبانی سے ہمیشہ دور رہنا چاہیئے۔



سچ بولنے کی برکت



بچو! یہ تو آپ سب کو پتہ ہی ہوگا کہ سچ کی عادت ہو تو انسان بہت سی برائیوں سے بچ جاتا ہے اور متقی بن کر اللہ تعالیٰ کے پیاروں میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی تو آپ کو علم ہی ہوگا کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سچائی کی وجہ سے ہی صدیق اور امین کہلاتے تھے لوگ اپنی راز کی باتیں آپؐ کو بتا دیتے اور مشورہ لے لیتے اور اپنی امانتیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رکھوا جاتے اور بڑے مطمئن ہو کر سفر پر بھی چلے جایا کرتے تھے۔

پیارے بچو! حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے ولی گزرے ہیں۔ ان کو لوگ ''بڑے پیر صاحب'' بھی کہتے ہیں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کی خوشی کے بڑے بڑے کام کئے۔ آپ کے زمانہ میں جو برائیاں پھیلی ہوئی تھیں آپ نے ان کو مٹایا۔ اس وقت کچھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے تھے۔ جو اسلام کے بارے میں طرح طرح کی باتیں پھیلا رہے تھے اور پیارے رسولؐ کے ساتھیوں کے بارے میں نہ جانے کیسی غلط سلط باتیں پھیلا رہے تھے۔ حضرت شیخؒ نے ان سب سے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور سب کے منہ بند کئے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم بھی تھے اور ولی بھی۔ آپ کی تقریر بڑی زوردار ہوتی تھی۔ آپ اتنے بڑے عالم کیسے ہو گئے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے فضل سے آپ کو بڑی اچھی ماں ملی تھیں۔ وہ آپ کو شروع سے ہی اچھی نصیحتیں کیا کرتی تھیں اور اللہ سے ڈرایا کرتی تھیں۔ قرآن اور حدیث پڑھنے کا شوق دلایا کرتی تھیں۔ وہ خود قرآن

کی حافظہ تھیں۔کام کرتی جاتیں اور قرآن پڑھتی جاتیں۔اس طرح ہر روز قرآن کا دورختم ہو جایا کرتا۔بچپن ہی میں قرآن سنتے سنتے حضرت شیخ ؒ کو بہت سا حصہ زبانی یاد ہو گیا تھا۔

یہاں میں ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے اس تعلق سے ایک تحریر درج کرتی ہوں۔حضور ؑ فرماتے ہیں:

''اصل بات یہ ہے کہ تقویٰ کا رُعب دوسروں پر بھی پڑتا ہے اور خدا تعالیٰ متقیوں کو ضائع نہیں کرتا۔میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ حضرت سید عبدالقادر صاحب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے اکابر میں سے ہوئے ہیں،اُن کا نفس بڑا مطہر تھا۔

ایک بار انہوں نے والدہ سے کہا کہ میرا دل دنیا سے برداشتہ ہے۔میں چاہتا ہوں کہ کوئی پیشوا تلاش کروں جو مجھے سکینت اور اطمینان کی راہیں دکھلائے۔والدہ نے جب دیکھا کہ یہ اب ہمارے کام کا نہیں رہا تو ان کی بات کو مان لیا اور کہا کہ اچھا میں تجھے رخصت کرتی ہوں۔ یہ کہہ کر اندر گئی اور اسّی مہریں جو اس نے جمع کی ہوئی تھیں اُٹھا لائی اور کہا کہ ان مہروں سے حصہ شرعی کے موافق چالیس مہریں تیری ہیں اور چالیس تیرے بڑے بھائی کی۔اس لئے چالیس مہریں تجھے بحصہ رسدی دیتی ہوں۔یہ کہہ کر وہ چالیس مہریں اُن کی بغل کے نیچے پیراہن میں سی دیں اور کہا کہ امن کی جگہ پہنچ کر نکال لینا اور عندالضرورت اپنے صرف میں لانا۔سید عبد القادر صاحبؒ نے اپنی والدہ سے عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔انہوں نے کہا کہ بیٹا جھوٹ کبھی نہ بولنا،اس سے بڑی برکت ہوگی۔اتنا سن کر آپ رخصت ہوئے۔

اتفاق ایسا ہوا کہ جس جنگل میں سے ہو کر آپ گزرے اُس میں چند راہزن قزاق رہتے تھے جو مسافروں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔دور سے سید عبدالقادر صاحبؒ پر بھی اُن کی نظر پڑی۔ قریب آئے تو انہوں نے ایک کمبل پوش فقیر سا دیکھا۔ایک نے ہنسی سے دریافت کیا کہ تیرے پاس کچھ ہے؟ آپؒ اپنی والدہ سے تازہ نصیحت سُن کر آئے تھے کہ جھوٹ نہ بولنا۔فی

الفور جواب دیا کہ ہاں چالیس مہریں میری بغل کے نیچے ہیں جو میری والدہ صاحبہ نے کیسہ کی طرح سی دی ہیں۔ اُس قزاق نے سمجھا کہ یہ ٹھٹھا کرتا ہے دوسرے قزاق نے جب پوچھا تو اُس کو بھی یہی جواب ملا۔ الغرض ہر ایک چور کو یہی جواب دیا۔ وہ اُن کو اپنے امیر قزاقان کے پاس لے گئے۔ امیر نے کہا اچھا اس کا کپڑا دیکھو تو سہی۔ جب تلاشی لی گئی تو واقعی چالیس مہریں برآمد ہوئیں۔ وہ حیران ہوئے کہ یہ عجیب آدمی ہے ہم نے ایسا آدمی کبھی نہیں دیکھا۔ امیر نے آپؒ سے دریافت کہ کیا وجہ ہے کہ تو نے اس طرح پر اپنے مال کا پتہ بتا دیا؟ آپؒ نے فرمایا کہ میں خدا کے دین کی تلاش میں جاتا ہوں۔ روانگی پر والدہ صاحبہ نے نصیحت فرمائی تھی کہ جھوٹ کبھی نہ بولنا۔ یہ پہلا امتحان تھا میں جھوٹ کیوں بولتا۔ یہ سن کر امیر قزاقان رو پڑا اور کہا کہ آہ! میں نے ایک بار بھی خدا تعالیٰ کا حکم نہ مانا۔ چوروں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اس کلمہ اور شخص کی استقامت نے میرا تو کام تمام کر دیا ہے میں اب تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا اور توبہ کرتا ہوں۔ اس کے کہنے کے ساتھ ہی باقی چوروں نے بھی توبہ کر لی۔‘‘

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 50)

دیکھو بچو! کتنا پیارا سبق دیا سب چوروں کو اور ان کے سردار کو۔ آپ بھی ہمیشہ سچ بولنا۔

یہ چند الفاظ شاید کچھ بچوں کو سمجھ میں نہ آئیں۔ ان کی آسان اردو یہ ہے:

مہریں: اشرفیاں یا دینار	قزاق: چور
پیرہن: کرتہ، جیکٹ کوٹ وغیرہ	کیسہ: جیب



حضرت سلیمان کی والدہ ماجدہ کی

بیٹے کو نصیحت



پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت سلیمانؑ کی والدہ نے اُن کو نصیحت کی کہ بیٹا رات بھر نہ سوتے رہا کرو۔ رات کا زیادہ حصّہ نیند میں گزار دینا قیامت کے دن انسان کو اچھے کاموں کا محتاج بنا دیتا ہے۔ (حدیث)

حضرت سلیمانؑ نے ماں کی نصیحت گرہ میں باندھ لی پھر کبھی آپؑ پوری رات نہیں سوئے۔ آپؑ رات کا ایک حصّہ اللہ کی عبادت میں گزارتے تھے۔

بڑے ہوئے تو اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنا نبی بنایا اور بادشاہت بھی دی۔ اللہ نے جنوں اور ہوا کو بھی آپ کا تابعدار بنا دیا تھا۔ آپؑ جانوروں کی بولیاں بھی سمجھ لیتے تھے۔ یہ سب اللہ کا فضل تھا۔ وہ جسے جو چاہے، دیتا ہے۔



حضرت زبیرؓ کی والدہ ماجدہ کی

تربیت کا انداز



حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے ساتھی تھے اور ان دس صحابہؓ میں سے تھے جن کو حضورؐ نے ایک ساتھ جنّتی ہونے کی خوشخبری دی۔ ایسے بڑے صحابی کی والدہ صاحبہ نے ان کو کیسے پالا؟ بڑی مزیدار اور دلچسپ بات ہے، پڑھئے اور سبق حاصل کیجئے کہ اگر ہماری امیّ جان یا کوئی دوسرا بزرگ ہماری اصلاح کرنے میں کچھ سختی کرے تو بُرا نہ ماننا چاہئے۔

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھوٹے ہی تھے کہ آپؓ کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ان کو پالا۔ وہ ان سے بڑے کٹھن کٹھن کام لیتیں۔ لوگ ایک بچّے کو مشکل کام کرتے دیکھتے تو حضرت صفیہؓ سے کہتے:

"ارے کیا بچّے کو مار ڈالوگی؟"

وہ جواب دیتیں:

"میں اسے عقلمند، نڈر اور بہادر بنا رہی ہوں۔"

ہوا بھی ایسا ہی۔ حضرت زبیرؓ بڑے ہوئے تو بڑے بہادر نکلے۔ ابھی سولہ سترہ برس ہی کے تھے کہ ایک اکھاڑے میں بہت بڑے پہلوان سے کُشتی ہوگئی۔ لوگوں نے منع کیا کہ اس پہلوان

سے نہ لڑیں۔لیکن زبیرؓ ذرا نہ ڈرے۔اکھاڑے میں اترے اور ایسا ہاتھ مارا کہ پہلوان چاروں خانے چت ہو گیا۔لوگ پہلوان کو لاد کر حضرت صفیہؓ کے پاس لائے اور جب سب حال کہا تو حضرت صفیہؓ بولیں:

''سچ کہو!تم نے میرے بچّے کو کیسا پایا؟ بہادر یا ڈرپوک؟''

ایک بار کافروں سے مسلمانوں سے لڑائی ہوئی۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس لڑائی میں شریک تھے۔اتنے میں ایک پہلوان ایک ٹیلے پر چڑھا اور پکارا:

''کون مسلمان مجھ سے لڑسکتا ہے؟''

حضرت زبیرؓ کو جوش آ گیا۔جا کر اس سے لپٹ گئے۔کُشتی ہونے لگی۔دونوں گر پڑے اور لڑھکتے ہوئے نیچے چلے۔حضرت صفیہؓ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑی دیکھ رہی تھیں۔گھبرا کر بولیں:''یارسول اللہؐ!میرا بچّہ!''۔

آپؐ نے فرمایا:

''گھبراؤ نہیں،زبیر اس پہلوان پر غالب آئے گا۔''

بھلا پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات کبھی غلط ہوئی ہے!ایسا ہی ہوا۔حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ ان دونوں میں جو زمین پر نیچے گرے گا وہ مارا جائے گا۔وہ پہلوان نیچے گرا اور حضرت زبیرؓ اوپر۔پھر حضرت زبیرؓ نے اس پہلوان کو قتل کر دیا۔مسلمان بہت خوش ہوئے۔

یہی حضرت صفیہؓ عورت ہوتے ہوئے بھی بڑے بڑے پہلوانوں کا مقابلہ کر لیتی تھیں اور ان کو بھاگنے پر مجبور کر دیتی تھیں۔ایک لڑائی میں (خندق کی جنگ میں) ایک پہلوان کو بڑھ کر مارا اور اس کا سر کاٹ کر دشمنوں کی طرف پھینک دیا۔

حضرت صفیہؓ پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سگی پھوپھی تھیں۔رَضِیَ اللہ عَنْہَا (اللہ ان سے راضی ہو)



والدہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا



حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے وقت کے سب سے بڑے بہادر تھے۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سات برس کی عمر میں ان سے بیعت لی تھی۔ ان کی والدہ ماجدہ کا نام حضرت اسماء رضی اللہ عنہا تھا جو حضرت ابوبکرؓ کی بڑی بیٹی اور حضرت زبیرؓ کی بیوی تھیں۔ آپؓ نہایت سمجھدار اور بہادر تھیں۔ ایسی سمجھدار کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مشورہ کرتے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکّے سے مدینہ ہجرت فرما رہے تھے اس وقت حضورؐ کے لئے راستے کا انتظام انہی نے کیا تھا اور جب حضورؐ غارِ ثور میں جا کر چھپے تھے تو تین دن تک آپ کے لئے کھانا پہنچایا اس طور سے پہنچایا کہ دشمنوں کو خبر نہ لگ سکی۔۔

اس بزرگ خاتون نے اپنے بیٹے کو کس طرح پالا؟ اس اندازہ کرنے کے لئے ہم نیچے تھوڑا سا حال لکھتے ہیں۔ ویسے حضرت اسماءؓ کا پورا حال لکھا جائے تو ایک بڑی کتاب کی ضرورت ہوگی۔

جب حضورؐ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو حضرت اسماءؓ بھی دہیں بلالی گئیں۔ جب مسلمان مدینہ پہونچے تو وہاں کی آب وہوا انہیں راس نہ آئی۔ کئی برس ہو گئے، مسلمانوں کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ کافروں نے مشہور کر دیا تھا کہ مسلمانوں کے یہاں اولاد ہی نہیں ہوتی کیونکہ ہمارے دیوتا ان سے خفا ہیں اور ہم نے ان پر جادو کرا دیا ہے۔ مسلمانوں کو ایسی باتوں پر یقین تو نہ تھا لیکن وہ دل ہی دل میں دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! ان کافروں کے جھوٹ کو ختم فرما دے۔

حضرت اسماءؓ پہنچیں تو آپ کے یہاں بچہ پیدا ہوا۔ بچے کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ مسلمانوں

نے عبداللہ بن زبیرؓ کی پیدائش کے وقت بڑی خوشی منائی ۔حضرت اسماءؓ بچے کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں پہنچیں ۔آپؐ بھی بچے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے ۔آپؐ نے حضرت عبداللہ کو گود میں لیا، گھٹی پلائی اور دعا دی۔

حضرت اسماء حضرت عبداللہ کو ان کے بچپن ہی میں نڈر بنا رہی تھیں ۔جب یہ چار پانچ برس کے ہوئے تو خندق کی لڑائی مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ہوئی ۔یہ بڑی گھمسان کی لڑائی تھی ۔حضرت اسماءؓ چار پانچ برس کے بچے کو لڑائی کا تماشہ دیکھنے بھیج دیتیں ۔دور ایک ٹیلے پر بٹھا دیتیں اور حضرت عبدُ اللہ بن زبیرؓ تیروں اور تلواروں کی لڑائی بچپن ہی میں دیکھتے اور مزہ لیتے ۔

بڑے ہو کر یہی عبداللہ بن زبیرؓ ایسے بہادر ہوئے کہ اس وقت ان کے مقابلے کا دوسرا بہادر نہ تھا۔ پھر بھی حضرت اسماءؓ ان کو جوش دلایا کرتی تھیں ۔حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو ایک بہت بڑی لڑائی ایک زبردست خلیفہ عبدالمالکؒ بن مروان سے لڑانی پڑی تھی۔ اس لڑائی میں حضرت عبداللہؓ کی فوج بہت تھوڑی تھی لیکن وہ ایک بڑے لشکر سے ٹکرا گئے تھے۔ اس لڑائی کے موقعہ پر اپنی ماں سے مشورہ لیا تو حضرت اسماءؓ نے یہ کہہ کر جوش دلایا:

> ”بیٹا! تم اپنی بات اچھی طرح سمجھتے ہو اگر تم اللہ کے واسطے لڑ رہے ہو اور سچائی کے طرفدار ہو تو کو ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیئے ۔جاؤ مردوں کی طرح لڑو۔ جان کا خوف نہ کرو۔ عزّت کے ساتھ تلوار کے زخم کھانا بدنامی کے سُکھ سے ہزار درجہ بہتر ہیں ۔اگر تم شہید ہو گئے تو مجھے خوشی ہوگی اور اگر تم دنیا کے مال و دولت چاہتے ہو اور اس کے لئے لڑ رہے ہو تو تم سے بُرا کون ہوگا ، تم کب تک زندہ رہو گے۔ ایک دن مرنا ہے۔ اس لئے اچھا یہ ہے کہ نیکی کے طرف دار ہو کر جان دو۔“

حضرت اسماءؓ نے لمبی عمر پائی۔ وہ بہت بوڑھی ہو گئی تھیں لیکن بڑھاپے میں بھی وہی دم خم تھا۔



حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ

حضرت امّ سلیم رضی اللہ عنہا



حضرت انس رضی اللہ عنہ پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے بچپن ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے تھے۔ نہایت فرمانبردار تھے۔ ہر وقت حضور ﷺ کا کام کرنے اور حضور ﷺ کی باتیں سننے کے لئے تیار رہتے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی انس رضی اللہ عنہ سے وہ مزے دار مذاق کیا تھا جو ''دو کان والے'' کے نام سے مشہور ہے۔ حضور ﷺ نے ایک بار انہیں ''او دو کان والے'' کہہ کر پکارا تھا۔ جس کے معنی ''فرمانبردار'' ہیں اور اس میں مزے کی بات یہ ہے کہ انسان کے دو کان تو ہوتے ہی ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام ''اُمّ سلیم'' تھا۔ حضرت امّ سلیم رضی اللہ عنہ مشہور صحابیہ تھیں۔ انہوں نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے کام کیے اور اسلام کی بڑی خدمت کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میری ماں کا مجھ پر سب سے بڑا احسان ہے کہ اُنہوں نے مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے تیا کیا اور اس طرح مجھے ایک اچھا انسان بننے کا موقعہ ملا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی پرورش کے سلسلہ میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے کچھ حالات نیچے لکھے جاتے ہیں۔

حضرت امّ سلیم رضی اللہ عنہا مدینے کی رہنے والی تھیں۔ ان کے شوہر کا نام مالک تھا۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا مسلمان ہو چکی تھیں لیکن ان کے شوہر مالک نے اسلام قبول نہیں کیا۔ مالک حضرت انس رضی اللہ عنہ کے باپ تھے۔

حضرت انسؓ ابھی بچّہ ہی تھے کہ حضرت امّ سلیمؓ نے انھیں کلمہ سکھانا شروع کر دیا تھا۔ان کے شوہر مالک نے بچے کو کلمہ سکھاتے دیکھا تو خفا ہو کر بولے:

''ایک تو تم نے خود باپ دادا کا دین چھوڑ دیا۔اب چاہتی ہو کہ یہ بچہ بھی بے دین ہو جائے۔''

حضرت امّ سلیم نے جواب دیا:

''یہ تو بھولا بھالا اور نادان بچّہ ہے میں تو چاہتی ہوں کہ تم بھی مسلمان ہو جاؤ۔''

مالک مسلمان نہ ہوئے۔اسی حالت میں ایک بار سفر کو گئے اور وہیں کسی نے انہیں قتل کر دیا اور امّ سلیم بیوہ ہو گئیں۔چونکہ بہت سمجھدار اور تندرست اور بہادر خاتون تھیں اس لئے بہت سے لوگوں نے شادی کا پیغام دیا لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میرا بچّہ ابھی بہت کم عمر ہے۔

پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو اس وقت حضرت انسؓ کی عمر دس سال کی ہو چکی تھی۔امّ سلیم حضرت انسؓ کو ایک بہترین انسان بنانا چاہتی تھیں۔انہوں نے سوچا کہ ایک اچھا انسان بننے کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے بڑھ کر اور کیا موقعہ ہو سکتا ہے۔چنانچہ وہ حضرت انسؓ کو لے کر حضورؐ کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا:

''یا رسولؐ اللہ! میں نے اس بچّے کو بڑی محنت سے پالا ہے۔اب میں یہ چاہتی ہوں کہ آپؐ اسے اپنے پاس رکھ لیں۔''

نبی کریمؐ نے ان کی بات مان لی۔حضرت انسؓ حضورؐ کی خدمت میں رہنے لگے۔دین کی باتیں سیکھنے لگے۔حضورؐ جو کام جس طرح کرتے وہ بھی انسؓ دیکھتے اور یاد رکھتے اور خود بھی حضورؐ کی پیروی کرتے۔اور پھر حضرت انسؓ پر اللہ کا ایسا فضل ہوا کہ وہ حضورؐ کے بڑے صحابیوں میں شمار کئے جانے لگے۔انہوں نے بہت سی حدیثیں بیان کی ہیں جن کو مسلمان پڑھتے ہیں اور اسلام کا علم سیکھتے ہیں۔



جھوٹ سے بچو، نیکیوں میں بڑھو!



ایک مرتبہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ حضور میں بہت سی برائیوں میں مبتلا ہوں اور بڑے گناہ کئے ہیں اور عادی ہو چکا ہوں۔ مجھے کوئی ایسی بات بتائیں کہ میں ان سے دور رہوں اور ایک نیک انسان بن جاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدرے خاموش رہے پھر فرمایا کہ تم وعدہ کرو کہ صرف ایک برائی کو چھوڑ دو گے۔ اُس نے دل میں کہا کہ یہ کونسی مشکل بات ہے اور بولا:

حضورؐ! آپ مجھے ضرور بتائیں وہ ایک برائی جو میں چھوڑ کے بہت سارے گناہوں سے بچ جاؤں گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم جھوٹ بولنا چھوڑ دو۔''

اُس شخص نے کہا اچھا حضور میں ایسا ہی کروں گا اور خوشی خوشی واپس چلا گیا۔ دل ہی دل میں بہت خوش بھی تھا کہ یہ تو ایک معمولی سی بات ہے۔ میں ضرور ایسا کر کے ایک اچھا اور نیک انسان بن جاؤں گا جیسا کہ میں چاہتا ہوں۔ جب رات ہوئی تو اُس کی عادت کے مطابق رات کے اندھیرے میں چوری کرنے اور ڈاکہ ڈالنے کی عادت کا خیال آیا اور جب گھر سے باہر اس ارادے سے جانے لگا تو جھٹ یاد آ گیا کہ میں نے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعدہ کیا ہوا ہے کہ جھوٹ نہیں بولوں گا اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تم نے چوری کی یا ڈاکہ ڈالا تو نہ میں جواب دیا تو جھوٹ ہوگا اور ہاں میں دیا تو برائی ہوگی۔ چلو آج یہ بھی چھوڑ کر دیکھتا ہوں۔ چارو ناچار یہ کام چھوڑ

دیا اور گھر واپس آ کر سونے لگا تو چونکہ اس کو شراب پینے کی عادت تھی، سامنے رکھی شراب کی بوتل دیکھ کر شراب پینے کا خیال آیا۔ مگر پھر پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کہی ہوئی بات یاد آ گئی کہ جھوٹ نہیں بولنا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا کہ تم نے شراب تو نہیں پی تو اگر ہاں میں کہوں گا تو برائی اپنی جگہ ہوگی اور نہ میں کہوں گا تو جھوٹا کہلاؤں گا۔ اس خیال کے آتے ہی شراب کا پیالہ اُٹھا کر پھینک دیا اور آئندہ کبھی نہ پینے کا وعدہ اپنے نفس سے کیا۔

اب تو اُسے نیند بھی آنے لگی تھی اور سکون بھی ملنے لگا تھا۔ صبح اذان کے وقت جو آنکھ کھلی تو اس کے دل میں خدا کا پیار اُمڈ آیا۔ نہا دھو کر نماز کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ واپس آ کر قرآن پڑھنے کو دل چاہا جس کا مہینوں سے خیال نہ آیا تھا۔ قرآن پاک طاق میں رکھا رہتا تھا اور بیوی اگر کبھی پڑھنے کو کہتی تو صاف کہتا کہ مجھ جیسا ناپاک انسان اتنی پیاری کتاب کو کیونکر ہاتھ لگا سکتا ہے اور یہ کہہ کر منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوا گھر سے باہر نکل جاتا اور گلی محلے کی نکر پر بیٹھے آوارہ لڑکوں سے گپ شپ کر کے دن گزارا کرتا تھا۔ مگر اب تو اُس کو جب باہر جانے کا خیال آتا تو جھٹ سے اس کو جھٹک دیتا اور بیوی سے گھر کے کاموں میں مدد کرتا اور اکٹھا وقت گزارتا۔ طبیعت میں نرمی آنے لگی تھی اور اس طرح آہستہ آہستہ اس کی تمام برائیاں دور ہو گئیں۔ اب وہ کافی مطمئن ہو گیا تھا۔

بالآخر حضورؐ کو ملنے کا دن آ گیا۔ خوشی خوشی آپؐ کے پاس حاضر ہوا اور جب حضورؐ سے ملا تو حضورؐ نے اُس کے چہرے سے ہی بھانپ لیا تھا کہ یہ شخص میری نصیحت پر عمل کر کے ایک نیک انسان بن کر آیا ہے۔ حضورؐ نے اُس سے دو ایک سوال کئے کہ کیا تم نے چوری کی۔ جواب نہ میں ملا پھر جوا اور شراب کا پوچھا تو بھی نہ ہی میں جواب تھا۔ اِس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہت خوش ہوئے اور یہ شخص بہت ممنونیت سے کہنے لگا کہ حضور میں آپؐ کا بہت ہی مشکور و ممنون ہوں کہ آپؐ نے مجھے ایسا نسخہ بتایا جو بظاہر آسان مگر میری پرانی اور پکی عادتوں کی وجہ سے مشکل بہت تھا۔ مگر اے خدا کے رسولؐ! اب میں ایک اچھا انسان بن گیا ہوں اور آئندہ کبھی ایسی کوئی برائی نہ کرنے کا وعدہ کرتا

ہوں۔

دیکھا بچو! کتنا پیارا سبق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں سکھایا! آپ بھی کبھی بھی کسی بھی موقع پر جھوٹ نہ بولنا۔ اس طرح سے آپ ہزار برائیوں سے بچ جائیں گے جس کی وجہ سے خدا بھی خوش اور اس کے پیارے رسول بھی خوش ہوں گے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سارے بچوں کو اِس نیکی کو پلے باندھنے کی توفیق دے۔ آمین۔ سچ بولنے کی بہت برکتیں ہیں۔



امانت و دیانت



امانت ایک بہت اعلیٰ خلق ہے۔ ہمارے آقا سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی امانت داری اور سچائی ہی کی وجہ سے تو امین کہلاتے تھے۔ لوگ آپ کے پاس امانتیں رکھ جاتے تھے اور بے فکر ہو کر چلے جاتے تھے۔ ان کو علم تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کبھی ہماری امانت کو ضائع نہیں ہونے دے گا۔ یہی نمونہ آپؐ نے ساری دنیا میں قائم کیا اور ہمیں بھی سکھایا۔ ہمارے پیارے آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی ہمیں اس خلق کی تاکید بار بار فرمائی اور خود اس کا نمونہ بن کر بچو ہمیں سبق بھی دیا ہے۔ دو ایک واقعات اس ضمن میں پیش خدمت ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک دن کچھ افراد کے ساتھ سیر کو تشریف لے گئے۔ راستے میں ایک کیکر کا درخت گرا ہوا تھا۔ بعض دوستوں نے اس کی شاخوں سے مسواکیں بنا لیں (یہ آپکی اُمی بتا دیں گی کہ مسواک کسے کہتے ہیں)۔ صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب (جو خلافت ثانیہ کے مقام پر فائز ہوئے) چھوٹی عمر کے تھے۔ ایک مسواک کسی نے اُن کو بھی دے دی اور انہوں نے بے تکلفی اور بچپن کی وجہ سے ایک دو دفعہ حضور علیہ السلام کو بھی کہا:

''ابّا مسواک لے لیں''، مگر حضور علیہ السلام نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

''میاں پہلے ہمیں یہ بتلاؤ کہ کس کی اجازت سے یہ مسواکیں حاصل کی گئی تھیں''۔

یہ بات سنتے ہی سب نے مسواکیں زمین پر پھینک دیں۔ کتنا پیارا طریقہ اور سبق حضور علیہ السلام نے سب کو دے دیا۔ (تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ ۲۱)

امانت و دیانت کا ایک اور واقعہ

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام لیٹے ہوئے تھے اور سید فضل شاہ مرحوم حضور علیہ السلام کے پیر دبا رہے تھے کہ شاہ صاحب نے اشارہ کر کے حضرت منشی ظفر اللہ صاحبؓ کپورتھلوی سے، جو پاس ہی بیٹھے تھے، کہا کہ یہاں جیب میں کوئی سخت چیز پڑی ہے۔ جب ہاتھ ڈال کر نکالی تو حضورؑ کی آنکھ کھل گئی۔ آدھی ٹوٹی ہوئی گھڑے کی چپنی اور دو ایک ٹھیکرے تھے۔ میں پھینکنے لگا تو حضورؑ نے فرمایا:

''یہ میاں محمود نے کھیلتے کھیلتے میری جیب میں ڈال دیئے ہیں۔ آپ پھینکیں نہیں۔ میری جیب ہی میں ڈال دیں کیونکہ میاں نے ہمیں امین سمجھ کر اپنے کھیلنے کی چیز رکھی ہے۔ وہ مانگیں گے تو ہم کہاں سے دیں گے۔''

(یہ واقعہ اصحاب احمد جلد چہارم کے صفحہ ۹۷ پر درج ہے)

دیانت داری

پیارے بچو! دیانتداری بڑا وسیع مضمون ہے۔ اس میں انسان کی اخلاقی حالت اور سچ بولنے کی پکی عادت اور اچھی تربیت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے کئی پہلو ہیں۔ میں آپ کو دو چار کہانیاں اس سلسلہ میں سناتی ہوں۔ سب سے پہلے میں آپ کو حضرت یونس بن عبید جو اپنے دور کے ممتاز عالم دین تھے ان کا ایک واقعہ سناتی ہوں۔ آپ حضرت حسن بصریؓ کے فیض یافتہ غلام تھے۔ آپ نے علم دین کو ذریعہ معاش نہیں بنایا بلکہ ریشمی کپڑے کی تجارت کر کے گزر اوقات کرتے تھے۔ آپ اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ تجارت میں بددیانتی کی ذرا سی بھی آلائش شامل نہ ہونے پائے۔ ایک دفعہ کسی خاص مقام پر ریشم کا نرخ اچانک چڑھ گیا یعنی ریشم کی قیمت بڑھ گئی لیکن اس کی خبر ابھی عام نہ ہونے پائی تھی۔ آپ نے اپنے لئے ایک دوکاندار سے تیس ہزار درہم کا ریشم خریدا

لیکن خلافِ توقع انہیں یہ سابقہ نرخ پر ملا۔انہوں نے دوکاندار سے پوچھا:

''تمہیں کچھ خبر ہے کہ ریشم کے بھاؤ چڑھ چکے ہیں۔''

دوکاندار نے کہا:''نہیں مجھے تو قیمتوں میں اضافے کا کوئی علم نہیں۔اگر مجھے پتہ ہوتا تو اتنا ریشم سابقہ بھاؤ پر کیوں فروخت کرتا؟''

حضرت یونسؒ نے دوکاندار کا یہ جواب سن کر خریدا ہوا مال واپس کر دیا اور اپنے پیسے واپس لے لئے۔دوکاندار بڑا حیران ہوا اور طے شدہ سودا منسوخ کرنے کی وجہ پوچھی۔تو آپ نے فرمایا:

''میں تمہاری لاعلمی اور بے خبری سے ناجائز فائدہ نہیں اُٹھانا چاہتا۔شرعاً اس کی اجازت نہیں''۔

آج کل کے دور میں ایسی باتیں بڑی عجیب وغریب معلوم ہوتی ہیں کیونکہ آج کل تجارت کا دارومدار ذخیرہ اندوزی،منافع خوری اور بلیک مارکیٹنگ پر ہے۔لیکن اس زمانے میں اس پیغمبرانہ پیشے یعنی تجارت کا انحصار امانت اور دیانت پر تھا۔لیکن آج کل ظاہر میں جو تجارت ہے حقیقت میں اس کا انحصار دیانت پر نہیں ہے۔آج کل تجارت سے سارے کا سارا منافع اِسی زندگی میں وصول کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جبکہ قرونِ اولیٰ میں تجارت اخروی منافع کی اساس پر کی جاتی تھی۔تاجر پیشہ لوگ ہر مرحلہ پر دیانت اور امانت کا خیال رکھتے تھے تاکہ حقوق العباد کسی صورت میں بھی مجروح نہ ہونے پائیں۔

دیکھا بچو کتنا پیارا سبق ملتا ہے اس کہانی سے کہ کبھی بددیانتی سے پیسہ نہ کماؤ۔



مہمان نوازی



بچو! یہ تو آپ سب ہی جانتے ہیں کہ مہمان نوازی کتنا عمدہ خلق ہے اور اس کا حکم بھی بہت پڑھا اور سنا ہوگا اور آپ خود بھی تو بڑے مہمان نواز ہوں گے۔ آج میں آپ کو اس بارہ میں ایک واقعہ سناتی ہوں۔ اُمید کرتی ہوں کہ آپ کو پڑھ کر مزا آئے گا۔ یہ کہانی میں نے ملفوظات جلد چہارم صفحہ 582 پر پڑھی جو ایک پرندے کی مہمان نوازی سے متعلق ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''ایسا ہی ایک پرند کی مہمان نوازی پر ایک حکایت ہے کہ ایک درخت کے نیچے ایک مسافر کو رات آ گئی۔ جنگل کا ویرانہ اور سردی کا موسم۔ درخت کے اُوپر ایک پرند کا آشیانہ تھا۔ نر و مادہ آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ یہ غریب الوطن آج ہمارا مہمان ہے اور سردی زدہ ہے اس کے واسطے ہم کیا کریں؟ سوچ کر اُن میں یہ صلاح قرار پائی کہ ہم اپنا آشیانہ توڑ کر نیچے پھینک دیں اور وہ اس کو جلا کر آگ تاپے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ یہ بھوکا ہے اس کے واسطے کیا دعوت تیار کی جائے اور تو کوئی چیز موجود نہ تھی ان دونو نے اپنے آپ کو نیچے اس آگ میں گرا دیا تا کہ ان کے گوشت کا کباب اُن کے مہمان کے واسطے رات کا کھانا ہو جائے۔ اس طرح انہوں نے مہمان نوازی کی ایک نظیر قائم کی۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 582)

پیارے بچو! دیکھا آپ نے، کیسی عمدہ اور انوکھی ادا سے ان پرندوں نے مہمان نوازی کا حق

ادا کیا۔ یہ ایک حکایت ہے مگر اس کے اندر بڑا ہی گہرا سبق ہے اور نمونہ ہے۔ جو مثال ہے مہمان نوازی کی وہ کمال کی ہے کہ اپنی جان تک کی پرواہ نہ کی۔

تو بچو! گھر میں مہمان آئے تو کبھی گھبرایا نہ کرو بلکہ جو کچھ ممکن ہو سکے مہمان کی خاطر داری کرنا اور اُس کے آرام اور کھانے کا خیال رکھنا چاہیئے۔

مہمانوں کی کثرت اور الٰہی برکت

بچو! یہ کہانی مہمان نوازی کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی انہی برکات کے متعلق ہے۔

غزوہ خندق کے زمانہ میں بھی مسلمانوں پر تنگی اور قحط کے سخت دن تھے۔ حضرت جابرؓ اس کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ:

ہم سب خندق کھود رہے تھے کہ ایک سخت چٹان کھدائی میں حائل ہوگئی۔ اصحاب نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی تو حضورؐ نے فرمایا کہ میں خود آتا ہوں۔ پھر آپؐ تشریف لائے۔ آپؐ کے پیٹ پر بھوک کی وجہ سے دو پتھر بندھے تھے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ مسلسل تین دن سے ہم نے کچھ کھایا پیا نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کدال ہاتھ میں لی اور تین ضربوں میں چٹان پاش پاش کر دی۔

حضرت جابرؓ سے رسول اللہ کی بھوک اور فاقہ کی حالت دیکھی نہ گئی۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت لیکر اپنے گھر گئے اور اپنی بیوی سے کہا میں نے فاقہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی حالت دیکھی ہے جس پر صبر نہیں ہوسکتا۔ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ اس نے کہا ہاں کچھ 'جَو' ہیں اور گھر میں بکری کا ایک بچہ بھی پالا ہوا ہے۔ حضرت جابرؓ نے جلدی سے بکروٹا (بکری کے بچے کو کہتے ہیں) ذبح کر دیا۔ جو پیس لئے اور گوشت ہنڈیا میں پکنے کیلئے رکھ دیا۔ حضرت جابرؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانے پر بلانے جانے لگے تو بیوی نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رسوا نہ

کرنا اور زیادہ لوگ ساتھ نہ لے آنا۔ایسا نہ ہو کہ کھانا کم پڑ جائے۔

اِدھر حضرت جابرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اس دوران بیوی نے آٹا وغیرہ گوندھا اور ہنڈیا تقریباً تیار ہوگئی۔حضرت جابرؓ نے جا کر رازداری سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میرے گھر تھوڑا سا کھانے کا انتظام ہے۔آپؐ اور چند صحابہ تشریف لے آئیں۔ رسول اللہؐ اپنے صحابہ کو بھوکا چھوڑ کر کیسے چلے جاتے۔آپؐ نے پوچھا کھانا کتنا ہے؟ حضرت جابرؓ نے بتا دیا کہ بکروٹا اور کچھ 'جَو' ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا بہت ہے اور خوب ہے۔تم اپنی بیوی سے جا کر کہو کہ وہ میرے آنے تک نہ تو ہنڈیا اُتارے نہ تنور سے روٹی پکانی شروع کرے۔ پھر آپؐ نے اپنے تمام صحابہ سے فرمایا کہ اے اہل خندق! جابرؓ نے تمہارے لئے دعوت کا انتظام کیا ہے۔چلو اس کے گھر چلیں۔حضرت جابرؓ پہلے گھر آ گئے۔انہوں نے بیوی کو بتایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خندق میں کام کرنے والے تمام صحابہ کو ہمراہ لا رہے ہیں تو وہ حضرت جابرؓ سے خفا ہونے لگیں۔حضرت جابرؓ نے کہا کہ میں نے تمہارے کہنے کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں رازداری سے ہی دعوت پیش کی تھی۔آگے حضورؐ کی مرضی !اس پر حضرت جابرؓ کی بیوی نے کہا کہ اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سب لوگوں کو ساتھ چلنے کو کہا ہے تو پھر کوئی فکر کی بات نہیں۔

خیر اتنی دیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے۔آپؐ نے آنے پر برکت کی دُعا پڑھ کر دم کیا۔ پھر ہنڈیا میں پھونک ماری اور برکت کی دعا کی۔پھر فرمایا اب روٹیاں پکانے والی کو بلاؤ کہ وہ روٹی پکائے اور ہنڈیا چولھے سے نہ اُتارنا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود کچھ روٹی توڑتے اس پر ہنڈیا میں سے گوشت نکال کر رکھتے اور اپنے صحابہ کو دیتے پھر تنور اور ہنڈیا کو ڈھانک دیتے۔اسی طرح تمام آئے ہوئے مہمان سیر ہو گئے اور کھانا

بچ بھی گیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت جابرؓ کی بیوی سے فرمایا کہ اب جو کھانا بچ گیا ہے خود بھی کھاؤ اور تحفۃً دوسرے لوگوں کو بھی بھجواؤ کیونکہ لوگ فاقے اور بھوک کا شکار ہیں۔چنانچہ آپؐ کے ارشاد پر بچا ہوا کھانا مدینہ میں غرباء اور مستحقین میں تقسیم کیا گیا اور اس کھانے میں اس قدر برکت پڑی کہ سب کیلئے کافی ہو گیا۔

(بخاری)

بچو! کیسی اچھی مزیدار اور ایمان افروز کہانی تم نے پڑھی۔اس سے جو سبق ملا ہے وہ بھی بڑا عظیم ہے۔اُس زمانے کے لوگ بھی عظیم تھے جو اپنا سب کچھ مہمان کے لئے قربان کرتے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم پر بھی صدق دِل سے قربان ہوتے۔جبھی اتنی برکات پاتے۔دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی ایسے ہی دل، حوصلے اور مہمان نوازی کے جذبے سے سرشار کرے۔آمین۔



ایثار اور مہمان نوازی



ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک غریب اور مفلوک الحال شخص آیا اور عرض کی کہ میں فاقہ سے ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گھر میں کہلوا بھیجا کہ کھانے کو کچھ ہو تو بھجوا دیا جائے۔ وہ زمانہ سخت تنگی اور قحط کا تھا۔ سب بیویوں کی طرف سے جواب آیا کہ صرف پانی گھر میں ہے اور کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ میں اعلان فرمایا کہ کوئی ہے جو آج رات اس شخص کی مہمان نوازی کرے اور خدا تعالیٰ کی رحمت سے حصہ پائے۔ ایثار پیشہ ابوطلحہؓ انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کیا اے خدا کے رسول! میں اس مہمان کی ضیافت کے لئے حاضر ہوں چنانچہ اس مہمان کو وہ گھر لے گئے۔ اپنی بیوی حضرت اُمّ سلیمؓ (جو نہایت زیرک ایثار پیشہ اور فدائی خاتون تھیں) سے کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہے اس کی خدمت میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھنا اور اس کا پورا پورا اکرام کرنا۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم آج تو صرف بچوں کا کھانا ہے۔ ہمارے اپنے کھانے کو بھی کچھ نہیں۔ حضرت ابوطلحہؓ نے کہا کہ کوئی بات نہیں آج بچوں کو بھوکا رکھ لیں گے۔ جب وہ کھانا مانگیں تو انہیں بہلا پھسلا کر سلا دو اور مہمان کیلئے کھانا تیار رکھو اور ساتھ ہی ہدایت کی کہ جب ہم کھانا کھانے بیٹھیں تو حکمت عملی سے دیا بجھا دینا تا کہ خدا کے رسول کا مہمان سیر ہو کر کھا سکے۔ ہم بھوکے گزارہ کر لیں گے۔ مہمان کی عزت کرنے کیلئے اُس کا ساتھ دینے کیلئے ہم خالی منہ ہلاتے رہیں گے۔

پردہ کے حُکم سے پہلے عربوں میں اہل خانہ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کو اکرامِ ضیف کا

حصہ سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ میاں بیوی مہمان کے ساتھ بیٹھ تو گئے کہ اس پہلو سے بھی مہمان کے اکرام میں فرق نہ آئے مگر کھانا ایک ہی آدمی کا تھا۔ حضرت اُمّ سلیمؓ کھانا رکھ کر چراغ ٹھیک کرنے کے بہانے سے اُٹھیں اور اُسے بجھا دیا۔ پھر دونوں میاں بیوی مہمان کے ساتھ خالی منہ ہلا کر یہ ظاہر کرتے رہے کہ کھانا کھا رہے ہیں۔ مہمان کو خدا اور اس کے رسول کی خاطر پیٹ بھر کر کھانا کھلایا اور خود بھوکے پیٹ رات بسر کی۔ ایثار و قربانی اور اخلاص و فدائیت کا یہ عظیم الشان نمونہ دیکھ کر اللہ تعالیٰ بھی اتنا خوش ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کی خبر کر دی۔

صبح ہوئی اور ابوطلحہؓ رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

''آج عرش کا خدا تم دونوں میاں بیوی کے اخلاص و ایثار اور محبت کا یہ نمونہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔''

دیکھا بچو! ایثار اور قربانی میں بچے بھی شامل تھے اور ماں باپ بھی۔ اس سے سبق بھی ملتا ہے کہ مہمان کی عزت و اکرام اور قربانی کا کتنا ثواب ہے۔ خدا تعالیٰ بھی خوش ہو گیا اور خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی۔ ہمیں مہمانوں کی بہت عزت اور قدر اور مہمان نوازی کرنی چاہیئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین۔



حاتم طائی کی مہمان نوازی



حاتم طائی کا نام تو کافی مشہور ہے، آپ نے ضرور سنا ہوگا۔ اگر نہیں تو میں بتائے دیتی ہوں کہ یہ ایک روم کا ایک مشہور آدمی تھا جو اپنی سخاوت اور مہمان نوازی کی وجہ سے سارے ملک میں مشہور تھا۔ یہ کہا جاتا تھا کہ حاتم طائی سے بڑھ کر بھلا کون فراخدل اور مہمان نواز ہوگا۔

اگر چہ حاتم طائی بہت فیاض تھا لیکن آنحضورؐ کے مقابلہ پر اس کی فیاضی بہت معمولی نظر آتی ہے۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ دونوں کا آپس میں کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ لیکن پھر بھی اپنے علاقہ کے لوگوں کے مقابلہ پر وہ نہایت فیاض اور مہمان نواز واقع ہوا تھا۔

تو بچو ایک دن حاتم طائی کے گھر مہمان آ گئے جبکہ رات کا وقت تھا اور کھلانے کو کوئی چیز گھر پر موجود نہ تھی۔ آپ نے دیکھا یا سنا ہوگا کہ اکثر مہمان یا مسافر رات کو ہی آتے ہیں یا انہیں رات کے وقت کہیں قیام کرنا پڑ جاتا ہے۔ اس طرح سے جب حاتم طائی کے گھر بھی رات کے وقت اچانک مہمان آ گئے تو اُس کو قدرے پریشانی ہوئی کہ آج کیا کیا جائے۔ آدھی رات دوکانیں ہوٹل سبھی بند ہو چکے ہیں۔ کچن میں بھی کچھ نظر نہیں آ رہا۔ یہ خیال آتے ہی مہمانوں کو یہ کہہ کر کہ ابھی آپ کے لئے کھانا لگواتا ہوں گھر سے باہر چلے گئے اور اپنا پیارا اور پسندیدہ گھوڑا جس کو جان سے بڑھ کر پیارا رکھتے تھے اس کو پیار کیا اور پھر اس کو ذبح کر دیا اور مہمانوں کے لئے گرما گرم روسٹ اور کباب بنا کر پیش کئے۔ مہمان کھان کھا کر خوش ہو کر سو گئے۔

رات بھر قیام کے بعد جب مہمان واپس جانے لگے تو مہمان جو روم کے بادشاہ کے سفیر تھے اور بادشاہ نے ہی ان کو حاتم طائی کی سخاوت کا امتحان لینے کیلئے بھیجا تھا اور کہا تھا کہ رات اس کے گھر

میں سونا اور صبح اُٹھ کر واپس جانے کیلیئے اس سے اس کے عزیز ترین گھوڑے کی فرمائش کرنا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ رات خوب پیٹ بھر کر کھایا اور سوئے اور صبح اٹھ کر اس کے بہترین اور عزیز ترین گھوڑے کی فرمائش کی جیسا کہ بادشاہ نے ان سے کہا تھا۔ حاتم طائی نے کہا کہ گھوڑا تو میں نے قربان کر دیا ہے۔ جب انہوں نے یہ بات بادشاہ کو واپس جا کر بتائی تو وہ بہت شرمندہ ہوا اور حیران بھی کیونکہ اس نے کبھی کہیں ایسی مہمان نوازی نہ دیکھی اور نہ سنی تھی۔

ہے نا اصل روح قربانی کی اور بچو! آپ کو تو پتہ ہی ہے کہ اس سلوک کا اجر کتنا ہے اور اسی وجہ سے حاطم طائی کا نام آج تک مشہور ہے اور لوگ ان کی مثال دیتے ہیں۔ واہ واہ کمال کر دیا۔

پیارے بچو! سبق آموز کہانیوں کو پڑھنے کے بعد ان سے ضرور کچھ نہ کچھ سیکھا کریں۔



قناعت



پیارے بچو! قناعت ایک ایسی خوبی اور نیکی ہے جس سے دنیا جنت بن سکتی ہے لیکن آج کل قناعت کے بارہ میں کوئی نہیں جانتا۔ ہر کوئی چاہتا ہے کہ کپڑا بہت اعلیٰ پہنے۔ گھر میں کرا کری عمدہ ہو، کھانا چائنیز ہوٹل میں جا کر کھائیں اور یورپین لباس پہنیں۔

کچھ دن پہلے میں ایک غریب لڑکے سے ملی جو کسی ورک شاپ میں کام کرتا تھا۔ میں نے اُس سے کہا کہ بیٹا تمہاری تو پڑھنے کی عمر ہے لیکن تم نے کتابوں کا بستہ پکڑنے کی بجائے ورکشاپ کے اوزار ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہیں۔ تو اس پر وہ بچہ بولا کہ اگر میں یہاں کام نہ کروں تو یہ چھوٹے درجے کے کام کون کرے گا؟ کوئی ایم اے یا بی اے پاس ہو تو وہ پیسے بھی اپنے معیار کے مطابق ہی مانگے گا۔ میں یہاں کام سیکھ رہا ہوں اور گھر والوں کو کھانا کھلانے کی ذمہ داری میری ہے۔ میں نے پوچھا تمہارے گھر میں کون کون ہے بیٹا! تو اُس نے جواب دیا میرے والد بیمار ہیں۔ ماں اور دادی بھی عمر کے آخری حصہ میں ہیں۔ مجھے بہت تھوڑا پڑھنے کا موقع ملا۔ میں حساب کتاب کر لیتا ہوں اور مجھے اُردو پڑھنی آتی ہے۔ اخبار اور رسالہ بھی پڑھ لیتا ہوں۔

پھر پتہ ہے بچو اُس لڑکے نے کیا کہا! یہ کہ آنٹی جی انسان میں قناعت ہونی چاہیئے۔ ہر اینٹ چوبارے پر سجنے کے قابل ہوتی ہے لیکن کچھ اینٹیں عمارت کی بنیاد پر بھی لگتی ہیں جو عمارت کی مضبوطی کا باعث بنتی ہیں۔ اس سے مجھے ایک سبق بھی ملا اور ایک نصیحت بھی کہ ہر وقت جس سے بھی ملو مہنگائی کا رونا روتا ہے۔ اگرچہ ہاتھ میں ہزاروں روپے کا موبائل پکڑا ہوتا ہے مگر مہنگائی کا رونا روتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خواہشات کو بڑھا رکھا ہے اگر خواہشات پر کنٹرول ہو تو بخوبی گزارہ

ہوسکتا ہے۔ چاہئے کہ اپنے آپ کو آسائشوں کا عادی نہ بنائیں اور اپنے ذہن کو خواہشات سے آزاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قانع دِل دے تاکہ ہم خوش اور خوشحال ہوں۔ آمین۔

ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک غلام اپنے آقا کے پاس رہتا تھا۔ اس کا آقا خود تو میدے کی روٹی کھاتا تھا اور اس کو بغیر چھنے آٹے کی روٹی کھلاتا تھا۔ غلام نے اس بات کو بہت ہی برا سمجھا اور اپنے آقا سے بولا کہ وہ اسے فروخت کردے۔ کیونکہ وہ اس کے پاس رہنے کیلئے تیار نہیں۔

چنانچہ اس کے آقا نے اسے فروخت کردیا۔ اور جس شخص نے اسے خریدا، وہ خود تو چھنا آٹا کھاتا تھا اور اسے بھوسی کھلاتا۔ غلام نے اس کے پاس رہنا بھی گوارا نہ کیا۔ اس کی خواہش پر اس شخص نے بھی اسے فروخت کردیا۔

اب جس شخص نے اسے خریدا تھا وہ خود تو بھوسی کھاتا تھا۔ مگر اس کو کوئی شے نہیں کھلاتا تھا۔ غلام نے اسے بھی کہہ دیا کہ وہ اس کے ہاں کام کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے اسے کسی اور شخص کے پاس فروخت کردیا جائے۔ بھوسی کھلانے والے شخص نے اسے فروخت کردیا۔

اب اسے ایک شخص نے خریدا جو خود بھی نہیں کھاتا تھا اور نہ ہی اسے کھانے کیلئے پوچھتا تھا۔ بلکہ اس مالک نے اس سے یہ سلوک کیا کہ اس کا سر منڈوا دیا اور رات کو اسے اپنے سامنے بٹھاتا اور چراغ اس کے سر پر رکھ دیتا۔

گویا اس سے چراغ دان کا کام لیتا۔ پھر وہ غلام اسی کے پاس رہا اور اس کے پاس سے کہیں اور بکنے کی خواہش ظاہر نہ کی۔ ایک دن کسی نے اس سے پوچھا:

''تم نے اس آقا کے پاس اپنی اس بدترین حالت کو کیوں برداشت کیا ہے؟''

وہ غلام بولا:

''میں ڈرتا ہوں کہ آئندہ مجھے کوئی ایسا شخص نہ خریدے جو بجائے چراغ کے سر پر رکھنے کے میری آنکھوں میں ہی بتی رکھ دے۔ اس لئے میں اسی حالت پر قانع ہوگیا ہوں''۔

پیارے بچو! اس کہانی سے آپ کو جو سبق ملا ہے آپ خود ہی سمجھ گئے ہوں گے۔ اگر نہیں سمجھے تو اپنی امی جان سے ضرور پوچھنا کہ بھلا اس میں کیا سبق ہے اور یہ کہانی آنٹی نے کیوں اس کتاب میں لکھنا پسند کی ہے۔

ہم سب کو قناعت کے اندر رہنا سیکھنا چاہیے۔ اور جو کچھ خدا نے ہم کو دیا ہے اسی پر خوش رہنا چاہیے۔



عقل مند شہزادی



بچو! اس کہانی سے آپ کو پتہ چل جائے گا کہ کون سی دو چیزوں کا مقابلہ ضروری ہے کہ ایک اچھی یا دوسری۔ بس آپ یہ کہانی ضرور پڑھیں، دلچسپ بھی لگے گی اور آپ خود اس کے بارہ میں فیصلہ کر سکیں گے.........

ایک بادشاہ تھا جس کی سات بیٹیاں تھیں اور آپ کو پتہ ہی ہے کہ بیٹیاں کتنی پیاری ہوتی ہیں، پیار کرتی ہیں اور پیار لیتی ہیں۔ یہاں بھی معاملہ کچھ ایسا ہی تھا۔ بادشاہ اپنی ساتوں بیٹیوں کو بہت چاہتا تھا۔ ہر ایک کو یہی لگتا تھا کہ اس کے ابو اس کو ہی زیادہ پیار کرتے ہیں۔ اس پر ایک دن ان میں جھگڑا ہو گیا۔ بادشاہ تک بات پہنچی تو وہ کہنے لگا کہ مجھے اس جھگڑے کا حل تو مشکل لگتا ہے کیونکہ مجھے تم سب ہی بہت پیاری ہو۔ میں کیسے بتاؤں کہ کون زیادہ پیاری ہے۔ جب بچیوں نے اصرار اور ضد کی کہ ابو آج تو آپ کو یہ بتانا ہی پڑے گا کیونکہ یہ سب سے چھوٹی بہن جو ہے وہ کہتی ہے کہ ابو کو مُجھ سے سب سے زیادہ پیار ہے تم آزما کر دیکھ لو۔ یہ سن کر باپ نے کہا کہ نہ معلوم تم لوگوں کو ایسا کیوں لگتا ہے، حالانکہ میں تو تم سب کو ایک سا ہی چاہتا ہوں۔

بیٹیوں کی ضد دیکھ کر کر بادشاہ سوچ میں پڑ گیا کہ میری پیاری پیاری بیٹیوں کو تو یہ شکوہ ہی رہے گا چلو کوئی ترکیب ٹیسٹ کرنے کی سوچتے ہیں۔ اگلے روز سب کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ میں کل والی بات سے کافی پریشان رہا اور سوچتا رہا کہ کیسے بتاؤں۔ میں تو ایک ہوں اور آپ سات بہنیں ہیں۔ میرے لئے فیصلہ مشکل ہو رہا ہے۔ ایسے کرتے ہیں کہ ایک تجویز میرے ذہن میں آئی ہے

کہ تم سب کو بھی مجھ سے اتنا ہی پیار ہے اور میری پسند کا بھی علم ہے۔تو اب تم سب میرے لئے ایک ایک ڈش بنا کر لاؤ جو مجھے تمہارے خیال میں بہت پسند ہے۔ یہ کہنا تھا کہ ہر ایک نے سوچنا اور تیاری کرنا شروع کردی۔ بادشاہ نے یہ بھی کہا کہ ایک دوسرے سے مشورہ ہرگز نہ کرنا۔ الگ الگ تیار کرنا اور اپنے لباس اور صفائی وغیرہ کا بھی خیال رکھنا۔اس سے مجھے پتہ چل جائے گا کہ تم میں سے کون مجھے زیادہ سمجھتا ہے۔لہٰذا زور شور سے کام ہونے لگا۔شاپنگ پکانا اور سجانا وغیرہ وغیرہ۔ ہر بیٹی نے سوچا کہ ابو کو میٹھی چیزیں پسند ہیں تو پہلی بیٹی نے زردہ بنا کر اور سجا کر ٹرے میں پیش کیا۔خوشبودار اور خوش لباس بیٹی زرد جوڑے میں بڑی خوبصورت لگ رہی تھی۔ بادشاہ نے اس کا پکایا ہوا زردہ چکھا جو بہت ہی پسند آیا۔اب دوسری بیٹی نے گاجر کا حلوہ بنایا اور اُسی رنگ کا جوڑا زیب تن کر کے اپنے ابو کو گلے لگا کر پیش کر دیا۔ ابو خوش بھی ہوئے اور کھا کر لطف اندوز بھی ہوئے۔ باداموں اور پستوں سے بھرپور الائچی دار اور مزیدار مکھّن میں بنا ہوا حلوہ کیا تھا بادشاہ کو یوں لگا کہ یہ زردہ سے زیادہ اچھا ہے اور اچھے طریقے سے پیش کیا گیا۔اب اگلی بیٹی نے گلاب جامن بنانے کی سوچی اور ابو کی پسند کے مطابق چاشنی میں ڈوبے ہوئے چاندی کے ورق سے ڈھکے ہوئے گلاب جامن لئے آئی۔ بادشاہ نے ایک گلاب جامن ہی کھایا اور بس، مزید نہ کھا سکا۔ اگلی آنے والی بیٹی رس ملائی لیکر آ گئی۔سفید رنگت کے ساتھ ساتھ ٹھنڈی اور دودھ میں بھیگی ہوئی ٹکیاں بے حد خوبصورت لگ رہی تھیں اور ساتھ میں بیٹی کا نوری جوڑا چاندی کے زیور۔ ذرا سا ٹکڑا ایک طرف سے لیا اور بس کر دیا۔ابھی نمبر دینے اور ریمارکس دینے کا وقت نہ آیا تھا کہ اگلی بیٹی اپنی باری پر شیر خورما لئے ساڑھی زیب تن کئے کھڑی تھی کہ ابو کو یہ بھی پسند ہے شاید میں ہی ان کی سب سے پیاری بیٹی کہلواؤں گی۔مگر وہ تو میٹھے کھانوں کو زیادہ نہ کھا سکے بس اس کا دل رکھنے کیلئے ایک چمچ لے کر ہی ہاتھ کھینچ لیا۔اور اب کے باری آئی اُس بیٹی کی جس نے بڑی ہی محنت سے اپنے ہاتھوں سے گرما گرم جلیبیاں بنائی تھیں اور اُسی رنگ کا گوٹے سے بھرا غرارہ پہن کر چھم چھم کرتی اپنے ابو کو

ٹرے میں رکھ کر پیش کی اور ابو جو کہ اگر چہ میٹھے کے بیحد شوقین تھے مگر بیٹی کا حوصلہ بڑھانے اور دِل رکھنے کیلئے اور خوش کرنے کیلئے ایک ٹکڑا ہی جلیبی کا کھا کر ہاتھ ہٹا لیا اور تعریف بھی کر دی کہ سب نے بہت اچھا بنایا اور سجایا اور میرے سامنے لا کر پیش کیا۔ آپ سبھی کو مجھ سے اور مجھے آپ سے بہت بہت پیار و محبت ہے مگر جو ساتویں بہن ہے اور اس کی باری ہے مجھے کچھ میری پسند کی چیز کھلانے کی اور اپنی محبت جتانے کی۔ اُس کو کہلا بھیجو کہ وہ کوئی میٹھی چیز نہ لائے میں بہت تنگ آ گیا ہوں۔ سب سب نے بہت عمدہ اور میری پسند کی کھانے کی چیزیں بنائی ہیں۔ اس پر سب بہنوں نے کہا کہ ابو وہ دیکھیں وہ تو آپ کے سامنے ٹرے سجائے کھڑی ہے اب تو اُسے کچھ روکنے اور کہنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ بادشاہ نے کہا اچھا تو یہ بات ہے چلو اس کی بھی دل شکنی نہ ہو لاؤ چکھ لیتے ہیں۔ ٹرالی میں رکھے ٹرے سے جو کور اُٹھایا تو کیا دیکھتا ہے کہ گرما گرم تکے، کباب اور بھنا ہوا گوشت رکھا ہے جس پر ہرا دھنیا چھڑکا ہوا اور سلاد کے علاوہ گرما گرم پراٹھے بھی ہیں۔ بیٹی نے نہایت سلیقے سے اپنے ابو کے پاس بیٹھ کر کھانا پیش کیا۔ بس پھر کیا تھا بادشاہ نے لپک کر ہاتھ بڑھایا اور کھانا ایسے شوق سے کھایا کہ سب بہنیں جو دوسری طرف کھڑی آخری فیصلہ کی منتظر تھیں کہ کون جیتا ہے پیار کی بازی میں، حیران ہو گئیں۔ یہ سب سے چھوٹی بہن جو نہایت سمجھدار اور سلیقہ شعار بھی تھی ماحول سے یہ دیکھ کر کہ میٹھی میٹھی چیزیں اگر چہ ہوں گی مگر آخر میٹھا کھا کھا کر ابو تنگ ہی تو آ گئے ہوں گے۔ ضرور اُن کا نمکین کھانے کو دِل چاہ رہا ہوگا۔ لہٰذا اور نہایت سادہ اور نمکین کھانا اور ساتھ میں تازہ فروٹ کا جوس بھی اپنے ہاتھ سے بنا کر لائی تھی۔ بس بادشاہ نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور پھر اس بیٹی کو گلے لگا کر بہت پیار کیا اور کہا کہ پیاری سب بہنیں ہیں اور انہوں نے کوشش بھی کی ہے اپنا پیار دکھانے اور میری پسند کا کھلانے کی مگر یہ جو تمہاری سمجھ اور عقل ہے اس نے مجھے یہ کہنے پر مجبور کر دیا ہے کہ تم میری سب سے عزیز بیٹی ہو اور پھر تمہاری یہ سادگی کہ لباس میں نہ بناوٹ ہے نہ بناؤ سنگھار ہے بلکہ خلوص سے سادہ اور صاف خوش رنگ کپڑے زیب تن کئے ہیں۔ اور پھر موقع کے مطابق نمکین

مزیدار کھانوں نے میرا دل جیت لیا ہے۔ بادشاہ نے باقی بہنوں سے بھی کہا کہ لو تم سب بھی اس کے ہاتھ کا بنا ہوا کھانا ذرا چکھ کر تو بتاؤ کیسا ہے۔ سبھی نے کھانا چکھا اور جی بھر کر داد دی اور اس بات کی قائل ہو گئیں کہ واقعی میٹھا دیکھ دیکھ کر ہی دِل بھر گیا تھا تو مزا کہاں سے آتا۔ واقعی نمکین کباب اور روسٹ سبھی بہت ہی مزیدار اور برموقع پیش کئے گئے ہیں۔ زندہ باد چھوٹی اور سب سے چھوٹی بہن جس کو سبھی گھر کے کام کاج کروانے اور رعب ڈالنے کے علاوہ کچھ نہ سمجھتے تھے۔

تو پیارے بچو! اس کہانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ پیار کے اظہار کے لئے بھی سوچ سمجھ کر بات کرنی عمل کرنا اور اس کا اظہار کرنا چاہیئے جو برموقع بھی ہو اور دِل موہ لینے والا بھی ہو۔ یہ بیٹی تھی تو سب سے چھوٹی مگر اس نے اپنی عقل برموقع محل استعمال کی اور پیار ومحبت میں سبقت لے گئی۔ بات معمولی تھی، آخر بے شمار میٹھی کھانے کی چیزیں کھا کر دِل تنگ تو آ ہی جاتا ہے اور نمک کی ضرورت اور افادیت بھی لازم وملزوم ہوتی ہے۔ بس بچو اعتدال ہی اچھا ہے اور اسلام کی تعلیم کہ

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْ

یعنی کھاؤ اور پیو مگر اسراف نہ کرو۔ دراصل اس کا یہ مطلب ہے کہ بے تحاشا نہ کھاؤ اور میانہ روی اختیار کرو۔ بات صرف مختصر سی تھی مگر کہانی کھانوں سے مزیدار ہوتی گئی اور نمک کی کمی آخری بیٹی نے پوری کر دی۔



اتفاق میں برکت



کہتے ہیں کہ ایک آدمی بہت بوڑھا اور بیمار ہو گیا تھا اور کام کاج نہ کر سکتا تھا۔ بس گھر میں بستر پر لیٹا رہتا تھا۔ اس کے سات بیٹے تھے جو آپس میں اتفاق سے نہ رہتے تھے۔ ہمیشہ جھگڑتے رہتے اور اپنے باپ کو ایک دوسرے کی شکایتیں کرتے رہتے۔ اِس طرح سے ان کے باپ کو بڑی پریشانی سی رہتی تھی۔

ایک روز اس نے اپنے سب بیٹوں کو اپنے پاس آ کر بیٹھنے کو کہا۔ بچے قدرے گھبرا سے گئے کہ نہ معلوم ہمارے ابّا کو کچھ ہونے لگا ہے یا کوئی اور ضروری بات کرنی ہے جو ہم سب کو اکٹھا بلایا ہے۔ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہوئے باپ کے گرد جمع ہو گئے۔ تب باپ نے کہا کہ اب تم جا کر جنگل سے لمبی لمبی خشک لکڑیاں اکٹھی کر کے لاؤ۔ یہ ایک اور پہیلی تھی۔ خیر باپ کا کہنا تو ماننا ہی تھا۔ اب جو سب نے لا کر اُوپر تلے لکڑیوں کا ڈھیر لگا دیا تو پوچھا کہ ابا جان اب کیا کریں ان لکڑیوں کا؟ کیا جلا دیں؟ باپ نے کہا نہیں، اب ان لکڑیوں کا گٹھا باندھ دو۔ چنانچہ تمام لکڑیوں کو گٹھے کی صورت میں ایک ساتھ باندھ دیا گیا۔ پھر باپ بولا کہ اب تم باری باری آؤ اور اس گٹھے کو توڑ دو۔ بڑے لڑکے نے کہا یہ کونسی مشکل اور بڑی بات ہے میں ابھی کر کے دکھاتا ہوں۔ وہ اٹھا اور اپنا پورا زور لگا کر لکڑیوں کو توڑنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا نہ توڑ سکا۔ پھر دوسرے کو کہا کہ بیٹا اب تم ان کو ایک ساتھ توڑ کر دکھاؤ۔ وہ بھی نہ کر سکا اور آخر ساتوں بیٹوں نے اپنی پوری طاقت سے لکڑیوں کے گٹھے کو توڑنے کی کوشش کی مگر نہ توڑ سکے۔ اس پر باپ نے کہا بیٹا اب تم ان لکڑیوں کو ایک ایک کر کے توڑو۔ سب نے جھٹ سے ایسا کر کے سارے گٹھے کا ڈھیر ٹکڑے کر کے رکھ دیا۔ اس پر

باپ نے کہا کہ یہ ایک نصیحت تھی جو میں تم سب کو کرنا چاہتا ہوں کہ اگر میرے مرنے کے بعد تم سب اکٹھے مل جل کر رہو گے تو کوئی بھی تم لوگوں کو نہ تو الگ کر سکے گا اور نہ ہی کوئی نقصان پہنچا سکے گا اور اگر الگ الگ رہے تو یوں ہی لکڑیوں کی طرح آسانی سے توڑ دیئے جاؤ گے۔ یہ نصیحت ہمیشہ یاد رکھنا۔

بات بڑے کام کی تھی جو باپ نے اپنے بیٹوں کو سمجھائی تھی۔ ان کو اکٹھے رہنے اور اتفاق سے رہنے کی برکت سمجھ آ گئی تھی۔ بچو! آپ بھی یاد رکھنا۔



وفاداری کا سبق



یہ سبق آموز واقعہ ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۳۳۴ ایڈیشن 2003 میں لکھا ہے۔

''ایک یہودی مشرف بہ اسلام ہوا۔ کچھ دن بعد جو مصیبت کا سامنا ہوا اور بھوکا مرنے لگا اور فاقے پر فاقہ آنے لگا تو کسی یہودی کے مکان پر بھیک مانگنے کیلئے گیا۔ یہودی نے اِس نومسلم کو چار روٹیاں دیں جب وہ روٹیاں لیکر جارہا تھا تو ایک کتا بھی اس کے پیچھے ہولیا۔ اس شخص نے یہ خیال کر کے کہ شاید ان روٹیوں میں سے کتے کا بھی کچھ حصہ ہے، ایک روٹی کتے کے آگے پھینک دی اور آگے چل دیا۔ کتا اس روٹی کو جلدی جلدی کھا کر پھر پیچھے پیچھے ہولیا۔ تب اس نے خیال کیا کہ شاید ان روٹیوں میں سے نصف حصہ کتے کا ہو۔ تب اُس نے ایک اور روٹی کتے کے آگے پھینک دی مگر کتا اس کو بھی کھا کر پیچھے پیچھے چل دیا۔ پھر اس نے جب معلوم کیا کہ کتا پیچھا نہیں چھوڑتا تو اُسے خیال گزرا کہ شاید تین حصے اس کے ہوں اور ایک حصہ میرا ہو۔ اس لئے اُس نے ایک روٹی اور ڈالدی مگر کتا وہ روٹی کھا کر بھی واپس نہ گیا تب اسے کتے پر غصہ آیا اور اس نے کہا:

''تُو تو بڑا بدذات ہے۔ مانگ کر میں چار روٹیاں لایا تھا مگر اُن میں سے تین کھا کر بھی تو پیچھا نہیں چھوڑتا۔''

خدا تعالیٰ نے اس وقت کتے کو بولنے کیلئے زبان دے دی۔ کتے نے جواب دیا:

''میں بدذات نہیں ہوں۔ میں خواہ کتنے ہی فاقے کیوں نہ اُٹھاؤں مگر مالک

کے سوائے دوسرے گھر پر نہیں جاتا۔ بدذات تو تو ہے جو دو تین فاقے اُٹھا کر ہی کافر کے گھر مانگنے کیلئے آ گیا۔"

تب وہ مسلمان یہ جواب سن کر اپنی حالت پر بہت پشیمان ہوا۔"

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۳۳۴ ایڈیشن 2003)

واقعی کتنا اچھا وفاداری کا سبق ہے جو ایک کتے نے سمجھا دیا۔ کہتے ہیں کہ کتا بڑا ہی وفادار جانور ہے۔



ماں باپ



یہ کتاب چھپنے کو جا رہی تھی کہ اخبار ''لاہور'' آیا۔ اس رسالہ میں ''اے نونہالانِ وطن'' کے عنوان سے بچوں کا صفحہ ہوتا ہے یہ ضرور پڑھتی ہوں۔ آج پھر دیکھا تو اس میں ایک کہانی ماں باپ کے عنوان سے سرفہرست تھی جو منور احمد اکمل نے ربوہ سے لکھ کر بھجوائی تھی مجھے اچھی لگی۔ یہ شیخ سعدی کی بیان کردہ ہے میں اسے آپ بچوں کیلئے نقل کر رہی ہوں۔ پڑھو اور غور کرو اور سبق حاصل کرو اور وقت پر والدین کی دعائیں حاصل کرو اور خدا کی خوشنودی کے علاوہ والدین کی خوشنودی بھی حاصل کر کے جنت کے وارث بن جاؤ۔

حضرت شیخ سعدیؒ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ جوانی کے جوش میں مَیں نے ماں پر جھنجلا کر ایک چیخ مار دی۔ بڑھیا بے چاری ایک کونے میں بیٹھی اور چپکے چپکے کہنے لگی۔ تُو وہ دن بھول گیا کہ میری گود میں پڑا رہتا تھا۔ نہ ہل سکتا تھا نہ چل سکتا تھا۔ اپنا آرام حرام کر کے تجھے آرام دیا۔ دن کو دن نہ سمجھا نہ رات کو رات۔ کلیجے کا خون پلا پلا کر تیرا پیٹ بھرا۔ جب پال پوس کر بڑا کیا تو آج تو مجھ پر جھنجلاتا ہے۔

ماں کا جب یہ سخن سنا میں نے شرم سے سر جھکا لیا
میرے دل پہ اس بات نے کیا یہ اثر
دل مرا کانپنے لگا تھر تھر

آنسو آنکھوں سے مثل ابر جھڑے

رونگٹے ہو گئے بدن کے کھڑے

خیال گزرا اللہ خالق اور رزاق اور رحیم و کریم ہے۔ اس نے اپنی ان نعمتوں کا نمونہ دنیا کے پردے پر ماں باپ بنائے ہیں........''

کیسی برحق مثل کہ

''آسمان پر خدا اور زمین پر ماں باپ''

اُسی وقت روتا ہوا گیا۔ ماں کے پاؤں پڑا اور خطا معاف کروائی۔



ماں کی محبت



پیارے بچو! یہ ماں کی ممتا کی ایک سچی کہانی ہے اور ہمارے لئے ایک سبق ہے رحم کا۔ ماں سے اس کے بچوں کو الگ کرنا کتنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی ناراضگی اور پھر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناراضگی کا موجب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر رحم دل تھے کہ ایک مرتبہ کبوتر کے بچوں کو تکلیف میں دیکھ کر بے چین ہو گئے اور اس صحابی کو حکم دیا کہ فوراً کبوتر کے بچوں کو ان کی ماں کے پاس لے جاؤ۔ بچو آپ بھی رحم کرنا سیکھو۔ کبھی کسی بھی جانور یا پرندے کو اس کی ماں سے الگ نہ کرنا۔ یہ بہت زیادہ تکلیف دینے والی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو نیک اور پیارے بچے بنائے۔ آمین۔ آپ یہ کہانی پڑھ کر اپنے بہن بھائیوں اور دوسرے دوستوں کو بھی بتانا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز اپنے صحابہؓ کے درمیان تشریف فرما تھے کہ ایک صحابیؓ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ میں ایک جھاڑی کے پاس سے گزر رہا تھا۔ میں نے جھاڑی میں غٹرغوں غٹرغوں کی آواز سنی۔ جھانک کر دیکھا تو کبوتر کے بچے تھے۔ میں نے انہیں اٹھایا اور اپنی چادر میں لپیٹ کر چل دیا۔ اتنے میں انکی ماں آئی۔ گھونسلا خالی تھا۔ پریشانی کے عالم میں میرے سر پر منڈلانا اور شور مچانا شروع کر دیا۔ میں نے اپنی چادر کھولی۔ بچوں کو دیکھ کر کبوتر کی ماں چادر میں آ بیٹھی۔ دیکھئے یہ کبوتر کے بچے اب تک میری چادر میں ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے

چادر کھول کر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھ دی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پرندوں پر نظر ڈالی اور پھر صحابی سے فرمایا کہ فوراً واپس جاؤ اور ان بچوں کو ان کے گھونسلے میں رکھ دو۔ یہ کہتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا۔ پھر انہوں نے دوسرے صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہوتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''ماں کی محبت کتنی گہری ہوتی ہے۔ان کی ماں کا دِل اپنے بچوں کیلئے کس قدر مضطرب تھا۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کیلئے اس سے بھی کہیں زیادہ مضطرب رہتا ہے۔''

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ الفاظ ادا کر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو تھے۔



عقل مند ماں



بچو! نیچے لکھی کہانی ایک مثالی ماں کی کہانی ہے۔ جب آپ اسے پڑھو گے تو اس ماں کی عقلمندی کی داد دو گے جس نے اپنے خاوند رقم کا صحیح استعمال کر کے ایک عالم باعمل بیٹا تیار کر کے اپنے خاوند کو تحفے میں دیا۔ تو سوچو بچو کہ باپ کو تو جو خوشی ہوئی وہ الگ لیکن خدا تعالیٰ کس قدر خوش ہوا ہوگا اور اس نیکی اور نیک کام کا کتنا بڑا اجر اس کی ماں کو دیا ہوگا۔

بہت دنوں کی بات ہے، مدینہ شریف کے ایک مجاہد، جن کا نام فروخ تھا، کافروں سے جہاد کرنے کیلئے خراسان جا رہے تھے۔ انہوں نے چلتے وقت اپنی بیوی کو کچھ اشرفیاں دیں اور تاکید کی کہ ان اشرفیوں کو اچھے کاموں میں خرچ کر دینا۔

یہ تاکید کر کے فروخ جہاد پر چلے گئے۔ اور پھر ایسا ہوا کہ بائیس تئیس سال تک گھر نہ آ سکے۔

ادھر ان کے جانے کے چند دن کے بعد اللہ پاک نے انہیں بیٹا دیا جس کا نام ان کی بیوی نے ربیعہ رکھا۔ اس عقل مند اور نیک خاتون نے اپنے بچے کی پرورش اور تعلیم کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد بنا لیا۔ فروخ جو اشرفیاں دے گئے تھے وہ ساری کی ساری انہوں نے اپنے بیٹے کی تعلیم پر خرچ کر دیں۔

دن گزرتے دیر نہیں لگتی۔ بیٹا جو اپنے باپ کے جہاد پر جانے کے بعد دنیا میں آیا تھا، اب ایک بہت بڑا عالم بن چکا تھا۔ وہ مسجد نبوی میں قران اور حدیث کا درس دیتا تھا اور شہر کے لوگ بہت شوق

سے اس کے درس میں شریک ہوا کرتے تھے۔

دوسری طرف فروخ نے جہاد میں کامیابیاں حاصل کی تھیں اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے علاوہ انہیں کافی مال غنیمت بھی ملا تھا۔ آخر ۲۳-۲۲ سال بعد انہیں گھر لوٹنے کا خیال آیا اور وہ اپنے سپہ سالار سے اجازت لے کر مدینے کی طرف روانہ ہو گئے۔

گھر کے دروازے پر پہنچ کر انہوں نے دستک دی تو ان کے بیٹے نے دروازہ کھولا، لیکن فروخ اسے پہچان نہ سکے۔ انہیں خیال آیا کہ شاید کوئی غیر آدمی میرے گھر میں گھس آیا ہے۔ انہوں نے غصہ میں آکر پوچھا:

''تو کون ہے اور میرے گھر میں کیا کر رہا ہے؟''

بیٹا بھی اپنے باپ کو نہ پہچان سکا تھا۔ انہوں نے جو ایک اجنبی کو سخت لہجہ میں بولتے سنا تو انہیں بھی غصہ آ گیا۔ قریب تھا کہ دونوں الجھ پڑتے کہ فروخ کی بیوی نے شوہر کی آواز پہچان لی۔ انہوں نے دروازے پر آکر دونوں کو اصل بات بتائی اور فروخ کو بہت عزت کے ساتھ اندر لے گئی۔

سفر کی تکان اتر گئی تو فروخ نے اپنی بیوی سے ان اشرفیوں کے بارے میں پوچھا جو وہ چلتے وقت دے گئے تھے۔ ان کی بیوی نے کہا:

''اس سوال کا جواب میں آپ کو کل دوں گی۔''

دوسرے دن بیوی نے اپنے شوہر سے کہا:

''عصر کی نماز آج مسجد نبویؐ میں پڑھیئے۔ نماز پڑھ کر لوٹیں گے تو میں آپ کے اس سوال کا جواب دوں گی کہ میں نے وہ اشرفیاں کن کاموں میں خرچ کی ہیں۔''

فروخ نماز ادا کرنے کیلئے مسجد میں گئے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کا بیٹا بہت عزت سے مسند پر بیٹھا درس دے رہا ہے اور سینکڑوں آدمی بہت غور سے ان کی باتیں سن رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر انہیں بہت خوشی ہوئی۔ یوں لگا جیسے اللہ پاک نے ان کے بیٹے کو بادشاہوں سے بھی اونچا رتبہ دے دیا

ہے۔

گھر آ کر انہوں نے سارا حال اپنی بیوی کو سنایا تو انہوں نے کہا:

''جو اشرفیاں آپ مجھے دے گئے تھے وہ میں نے آپ کے بیٹے کی تعلیم دین پر خرچ کی ہیں۔ بتایئے میں نے اچھا کیا ہے یا نہیں؟''

فروخ بولے:

''ان اشرفیوں کو اس سے بہتر کسی اور کام میں خرچ نہ کیا جا سکتا تھا۔ تم نے یقیناً انہیں ایک بہترین کام پر خرچ کیا ہے۔ تم مبارک باد کی حقدار ہو۔''



کہنا بڑوں کا مانو



بچو! یہ کہانی بہت پرانی ہے اس کو سنتے اور سناتے برسوں گزر گئے مگر آج بھی میرے کانوں میں ویسے ہی ان پیاری ہستیوں کی آواز آتی ہے جنھوں نے یہ کہانی مجھے سنائی۔ اور میرے ذہن میں بھی آج بھی ویسے ہی محفوظ ہے جیسے کہ جیسے کہ کل ہی کی بات ہو۔

سردیوں کے دن ہوتے تھے۔ ہم کمرے میں بیٹھے دروازے بند کئے لحاف اوڑھے اپنی نانی امی جان سے یہ کہانی سنانے کی فرمائش کرتے، جو اپنی نماز عشاء اور تسبیح سے فارغ ہو کر کمرے میں بستر میں لیٹنے کیلئے آئی ہوتی تھیں۔ ان کا ہم سب بھائی بہنوں سے سب سے پہلا سوال یہ ہوتا تھا کہ پہلے یہ بتاؤ کہ:

سکول کا ہوم ورک پورا کر لیا ہے؟ نمازیں پڑھ لی ہیں اور دانت برش کر لئے ہیں؟ کیونکہ مجھے پتہ ہے کہ تم لوگ کہانیاں سنتے سنتے ضرور سو جایا کرتے ہو۔

اس پر ہم سب یک زبان جی....... کہہ کر ذرا ٹھیک ہو کر بیٹھ جاتے کہ اب لگی شروع ہونے کہانی اور ایک دوسرے کو منہ پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا بھی اشارہ کرتے.......

یہ روٹین روزانہ دہرائی جاتی اور ہر روز ہم نئی کہانی سننے کی فرمائش کرتے تو نانی اماں ہمارا ٹیسٹ بھی اس سے لیتیں کہ پہلے بتاؤ پرسوں والی کہانی سے کیا سبق سیکھا تھا اور ہم جو کہ اچھے ہوشیار اور قدرے چالاک ٹھہرے تھے ایک دوسرے کو ذرا کہنی مار کر یاد کروانے کو بھی کہہ دیتے اور جھٹ زور سے بول اُٹھتے کہ جی مہمان نوازی یا امانت داری یا صبر یا صفائی۔ بہر حال وہ خوش ہو کر یہ ضرور سمجھ جاتیں کہ ہمیں اگر پوری کہانی کی ترتیب یاد نہیں تو کم از کم جو کہانیاں سنی تھیں وہ تو یاد ہیں۔ بس

پھر مزید غور سے نئی کہانی سننے کیلئے تیار ہو کر بیٹھ جاتے اور توجہ سے سنتے۔

نانی اماں نے بتایا کہ بچو آج تم وعدہ کرو گے کہ جو کہانی میں سنانے جارہی ہوں ہے تو بہت ہی چھوٹی سی مگر میرے پیارے بچو ہے یہ سبق آموز جو ساری زندگی تمہیں کام آئے گی۔ کہو یاد رکھو گے نا؟ ہم زور سے کہتے ....جی.......... لمبی سی جی............

کہانی اس طرح سے ہے اور سچی کہانی ہے کہ ایک بچہ آپ سب کی طرح ہی کا تھا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک میدان میں کھیل کھیل رہا تھا جو گاڑی کی لائن کے بالکل ساتھ ہی تھا۔ جونہی سب بچوں نے ٹرین کو آتے دیکھا تو لائن کے پاس جا کر کر کھڑے ہو گئے۔ چونکہ ٹرین اس لئے سیٹی بجاتی ہے کہ لائن کلیئر ہو جائے۔ جب ٹرین قریب آنے لگی تو سب بچے تو دوڑ گئے لیکن ایک بچہ وہیں کھڑا گاڑی کو آتے دیکھتا رہا۔

خدا کا کرنا کیا ہوا کہ اچانک اس بچے کے باپ کا اُدھر سے گزر ہوا۔ اس نے بچے کو لائن کے درمیان کھڑے دیکھا اور اُدھر سے گاڑی کو آتے دیکھا تو بجائے اس کے کہ بھاگ کر اپنے بچے کو پکڑتا جو کہ کافی فاصلے پر تھا۔ اس نے اپنے بچے سے چیخ کر کہا

''لیٹ جاؤ''

بچے نے، جو کہ ایک فرمانبردار بچہ تھا اور مثالی بچہ اپنے بڑوں اور بزرگوں اور والدین کا کہنا مانتا تھا، جھٹ سے اُس پٹڑی پر جو پتھروں اور لکڑی سے بنی ہوئی ہوتی ہے، لیٹ گیا۔ اتنے میں گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی اس بچے کے اوپر سے گزر گئی۔ جب ٹرین گزر گئی تو باپ نے دوڑ کر اپنے بچے کو گلے سے لگایا اور بہت پیار کیا اور شاباش دی کہ تم نے میرا کہنا مانا اور آج تمہاری جان بچ گئی وگرنہ تم کھڑے رہتے یا پوچھنے لگتے کہ کیوں لیٹ جاؤں، یہاں تو پتھر ہیں مٹی ہے وغیرہ وغیرہ تو اتنی دیر میں ٹرین آجاتی اور خدانخواستہ کچلے جاتے۔ دیکھا بچو بڑوں کا کہنا ماننا اور فوری طور پر بات ماننے کا نتیجہ .... کہو کیسی لگی یہ کہانی! سبق آموز تھی نا! یاد رکھنا اور اپنے دوستوں کو بھی سُنانا۔ ۞

ہنرمندی کا اعلیٰ ترین نمونہ



بچو! آج میں آپ کو ہنرمندی کے اعلیٰ نمونہ کی ایک کہانی سناتی ہوں:

ایک بادشاہ نے ایک نہایت اعلیٰ درجہ کے کاریگر سے کہا کہ تم اپنے ہُنر اور کمال کا نمونہ مجھے دکھاؤ اور نمونہ بھی ایسا نمونہ ہو کہ اِس سے زیادہ تمہاری طاقت میں نہ ہو گویا اپنے انتہائی کمال کا نمونہ ہمارے سامنے پیش کرو اور پھر اس بادشاہ نے ایک دوسرے اعلیٰ درجہ کے کاریگر سے کہا تم بھی اپنے کمال کا اعلیٰ ترین نمونہ بنا کر پیش کرو۔ ان دونوں کے درمیان بادشاہ نے ایک حجاب حائل کر دیا۔

کاریگر نمبر اوّل نے ایک دیوار بنائی اور اس کو نقش ونگار سے اتنا آراستہ کیا کہ بس حد کر دی۔ یہ واقعی انسانی کمال کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ تھا۔

دوسرے کاریگر نے بھی ایک دیوار بنائی مگر اس کے اوپر کوئی نقش ونگار نہیں کئے لیکن اس کو ایسا صاف کیا اور چمکایا کہ وہ دیوار ایک مصفا شیشے سے بھی اپنے صیقل میں بڑھ گئی۔ بادشاہ نے پہلے کاریگر سے کہا کہ اپنا نمونہ پیش کرو۔ چنانچہ اس نے وہ نقش ونگار سے مزین دیوار پیش کی۔ سب دیکھنے والے اُسے دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ پھر بادشاہ نے دوسرے کاریگر سے کہا کہ اب تم اپنے کمال کا نمونہ پیش کرو۔ اُس نے عرض کیا کہ حضور یہ حجاب درمیان سے اُٹھا دیا جائے۔ چنانچہ بادشاہ نے اُسے اٹھوا دیا تو لوگوں نے دیکھا کہ بعینہٖ اسی قسم کی دیوار جو پہلے کاریگر نے تیار کی تھی دوسری طرف بھی کھڑی ہے۔ کیونکہ درمیانی حجاب اُٹھ جانے سے اس دیوار کے نقش ونگار بغیر کسی فرق کے اُس دوسری دیوار پر ظاہر ہو گئے۔

کیسا اعلیٰ کاریگر تھا۔ عقلمند بھی اور ہنرمند بھی۔

بوڑھے کی ذہانت



ایک بادشاہ وزیر کے ساتھ کہیں سفر پر جارہا تھا کہ راستے میں اُس کی نظر ایک بوڑھے ضعیف کی طرف پڑی جو زمین کھود رہا تھا۔ بادشاہ نے وزیر کو حکم دیا کہ سواری روکو اور خود جا کر دیکھنے لگا کہ یہ بوڑھا آدمی کیا کر رہا ہے۔ شاید کوئی معذور اور ضرورتمند ہے اور اسے مدد کی ضرورت ہو۔ جب اُس کے پاس پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ بڈھا زمین میں کھجور کا درخت لگانے کیلئے زمین کھود رہا ہے۔

بادشاہ نے اسے پوچھا کہ:

''آپ کھجور کا درخت بو رہے ہیں۔ اس کا پھل کیونکر کھائیں گے؟''

اس کے جواب میں اُس بزرگ نے کہا:

''بادشاہ سلامت ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں یہ اس لئے نہیں اُگا رہا کہ اِس کا پھل میں ہی کھاؤں۔ بلکہ یہ سوچ کر کہ پہلوں نے یہ درخت لگائے تھے تو ہم نے اُن کا پھل کھایا۔ آج اگر میں لگاؤں گا تو آنے والی نسلیں کھائیں گی۔''

بادشاہ کے دِل کو اِس بڈھے کی بات اور دماغ کی سوچ بہت اچھی لگی اور بہت خوش ہوا اور اس نے اپنے وزیر کو، جو اس کے ساتھ تھا، کہا ''زہ'' اس کا مطلب تھا کہ میں بہت خوش ہوا ہوں یا اِس بڈھے کی بات نے مجھے خوش کر دیا ہے۔ بادشاہ نے اپنے وزیر سے یہ کہہ رکھا تھا کہ جب میں کسی سے بہت خوش ہوں اور ''زہ'' ہوں تو تم اس کو انعام واکرام کے طور پر ایک تھیلی اشرفیوں کی دے دینا۔ سو وزیر نے ایسا ہی کیا۔ اس پر وہ بڈھا بہت خوش ہوا اور کہنے لگا:

''بادشاہ سلامت کھجور کا درخت تو کہتے ہیں کہ پانچ سال کے بعد پھل دیتا ہے مگر

یہ درخت تو اتنی جلدی پھل دینے لگا ہے.........''

بادشاہ کو یہ اُس بوڑھے کی یہ بات بھی بہت پسند آئی۔اس پر پھر بادشاہ نے وزیر سے کہا:

''زہ'' اُس نے پھر خزانے کے تھیلے سے ایک بڑا بیگ بھر کر اشرفیوں کا اُس بڈھے کو دیا جسے دیکھ کر وہ خوشی سے پھولے نہ سمایا اور کہنے لگا:

''بادشاہ سلامت یہ درخت تو بہت ہی بابرکت ہے کہ ایک تو اتنی جلدی پھل لے آیا اور دوسرے جبکہ سب کو علم ہے کھجور کا درخت سال میں ایک ہی بار پھل دیتا ہے ۔یہ درخت تو مجھے دو بار پھل دے چکا ہے۔''

بادشاہ مسکرایا اور خوش ہوا اور پھر اپنے وزیر کو کہا ''زہ'' اس پر اُس وزیر نے پھر ایک تھیلی اشرفیوں کی بھر کر اس بڈھے کو دی اور اب کے بادشاہ نے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ چلو یہاں سے اب جلدی نکل چلو یہ بڈھا تو اپنی ذہانت اور حاضر جوابی سے ہمارا سارا خزانہ لوٹ لے گا اور ابھی تو مجھے آگے لمبا سفر کرنا ہے۔

تو بچو دیکھا آپ نے !اِس بزرگ کی ذہانت کو اور حاضر جوابی کو۔تو یاد رکھو کہ وقت پر کی ہوئی بات اور سوچ سمجھ کر کی ہوئی بات دِل پر اثر کرتی ہے اور کبھی کبھی بڑے بڑے انعامات و اکرامات بھی ایسی باتوں سے مل جاتے ہیں۔



شکرِ نعمت



بچو! کسی زمانے میں حضرت سلطان طغرل ایک خدا ترس بادشاہ گزرے ہیں جو لوگوں کی ضرورتیں اور تکلیفیں معلوم کر کے اُن کی مدد کیا کرتے تھے۔ بہت ہی رحمدل بادشاہوں میں ان کا نام مشہور ہے۔ اُن کا ایک چھوٹا سا پارسائی اور خدا ترسی کا واقعہ ہے جو لکھنے جا رہی ہوں۔

ایک بار سردی کے موسم میں وہ رات گشت سے واپس آئے۔ محل میں جانے لگے تو ایک چوکیدار کو دیکھا کہ سردی کے مارے تھر تھر کانپ رہا ہے۔ سلطان نے کہا:

''ذرا صبر کرو، ہم تمہیں ابھی گرم کوٹ بھیجتے ہیں''۔

لیکن محل میں جا کر کچھ ایسے کام میں لگے کہ وعدہ یاد نہ رہا۔ سلطان کاموں کو نپٹا کر بستر پر گئے اور پڑتے ہی سو گئے۔ اچانک خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے:

''خدا کی بخشی ہوئی نعمت کا یہی شکر یہ ہے کہ بادشاہ چوکیدار کو کوٹ کے انتظار میں بے چین رکھے۔ اور خود گُدگُدے بستر پر سو جائے''۔.....

حضرت سلطان طغرل یہ سنتے ہی نیند سے چونک پڑے۔ چوکیدار کے پاس کوٹ لے کر خود پہنچے اور دیر ہو جانے کی معافی چاہی۔ سچ ہے: شکرِ نعمت میں غریبوں کی امداد کرو۔

کیوں بچو! ہے نا بہت پیارا واقعہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو خود خواب میں جگا کر ان کی نیک فطرت کے مطابق نیک کام کرنے کی توفیق دی اور بادشاہ سلامت نے اپنے چوکیدار سے نہایت معذرت کے ساتھ معافی مانگی۔ بچو! نیکی کرو تو خدا بھی آپ سے پیار کرتا ہے۔ ہمیشہ غریبوں کی مدد کرتے رہنا چاہئے۔



نیکی کا بدلہ



ہمیں اس خدا تعالیٰ کی ہی پرستش کرنی چاہیئے کہ جو ذرا سے کام کا بھی اجر دیتا ہے۔

ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ تین آدمی پہاڑ میں پھنس گئے تھے۔ وہ اِس طرح کہ انہوں نے پہاڑ کی غار میں ٹھکانہ لیا ہوا تھا جبکہ ایک پتھر سامنے آ گرا اور راستہ بند ہو گیا۔ تب اِن تینوں نے کہا کہ اب تو ہمارے کئے ہوئے نیک کام ہی ہمیں بچا سکتے ہیں۔ چنانچہ ان تینوں نے فیصلہ کیا کہ باری باری اپنی نیکیاں بیان کریں:

پہلے نے کہا کہ ایک دفعہ میں نے مزدور لگائے تھے۔ مزدوری دینے کے وقت اُن میں سے ایک چلا گیا۔ میں نے بہت ڈھونڈا آخر نہ ملا تو میں نے اُس کی مزدوری سے ایک بکری خریدی اور اس طرح چند سال تک ایک بڑا گلہ ہو گیا۔ پھر وہ مزدور واپس آیا اور اُس نے مجھے یاد دلایا کہ:

''میں نے ایک دفعہ آپ کی مزدوری کی تھی۔ اگر آپ اُجرت دے دیں تو عین مہربانی ہوگی۔''

میں نے اس کا تمام مال اُس کے سپرد کر دیا۔ اے اللہ! اگر تجھے میرا یہ نیک عمل پسند ہے تو میری مشکل آسان کر دے۔ اتنے میں وہ پتھر تھوڑا سرک گیا۔

پھر دوسرے نے اپنا قصہ بیان کیا اور بولا کہ اے اللہ! اگر میری یہ نیکی تجھے پسند ہے تو میری مشکل آسان کر دے۔ پتھر تھوڑا اور سرک گیا۔

پھر تیسرے نے کہا کہ میری ماں بہت بوڑھی تھی۔ ایک رات کو اُس نے پانی طلب کیا۔ جب میں پانی لایا تو وہ سو چکی تھی۔ میں نے اُس کو نہ اُٹھایا کہ کہیں اس کو تکلیف نہ ہو اور وہ پانی لئے ساری

رات اس کے سرہانے کھڑا رہا۔ جب صبح وہ اُٹھی تو اُسے پانی پلایا۔ اے اللہ! اگر تجھے یہ نیکی پسند ہے تو اس مشکل کو دور کردے۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہ پتھر اتنا سرک گیا کہ وہ سب بآسانی اس غار میں سے باہر نکل گئے۔ اس طرح پر اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اس کی نیکی کا بدلہ دے دیا۔



باتوں سے خوشبو آئے



حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت کا ایک واقعہ ہے کہ:

ایک مرتبہ بیت المال میں بہت سے سیب آئے۔ آپ اُنہیں عام مسلمانوں میں تقسیم کر رہے تھے۔ آپ کا ایک چھوٹا بچہ کھیلتا ہوا وہاں آ گیا اور ایک سیب اُٹھا کر کھانے لگا۔ آپ نے وہ سیب فوراً اُس کے منہ سے چھین لیا۔ بچہ رونے لگا اور گھر آ کر ماں سے شکایت کی۔ ماں نے بازار سے سیب منگوا دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز گھر آئے تو سیب کی خوشبو آئی۔ آپ نے بیوی سے پوچھا:

''سیب کہاں سے آئے'' بیوی نے تمام ماجرا بیان کر دیا۔ آپ نے فرمایا:

''خدا کی قسم! میں نے یہ سیب بچے کے منہ سے نہیں چھینا تھا بلکہ اپنے دل سے چھینا تھا۔ مجھے یہ پسند نہ تھا کہ میں عام مسلمانوں کے حق میں سے ایک سیب لے کر اپنی آخرت برباد کرلوں۔''

دیکھا بچو! ایک اور اعلیٰ اخلاق اور ایمانداری کا نمونہ مل گیا۔ ہم سب کو اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے کی توفیق دے آمین۔



غریب طالب علم اِمام بن گیا



بہت دنوں کا ذکر ہے، مسجد نبویؐ کے صحن میں ایک بزرگ اپنے شاگردوں کو حدیث پڑھا رہے تھے۔ مسجد نبویؐ اس مسجد کا نام ہے جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ شریف میں اس وقت بنائی تھی جب آپ مکہ شریف سے ہجرت کر کے مدینے تشریف لائے تھے۔

یہ بزرگ اپنے زمانے کے مانے ہوئے عالم تھے۔ دور دور سے لوگ ان سے حدیث پڑھنے آتے تھے۔ سب شاگرد خوب غور سے استاد صاحب کی باتیں سن رہے تھے۔ ایک غریب لڑکا مسجد میں داخل ہوا۔ اس کا لباس معمولی تھا۔ نہ اس کے پاس تختی تھی اور نہ قلم دوات۔ لیکن اس کے چہرے سے شرافت ظاہر ہوتی تھی۔

لڑکا مسجد میں داخل ہو کر چپ چاپ ان لڑکوں کے پاس بیٹھ گیا جو حدیث کا سبق پڑھ رہے تھے۔ سب طالب علموں کے پاس قلم، دوات اور کاپیاں تھیں اور استاد صاحب جو کچھ پڑھاتے تھے وہ ساتھ ساتھ لکھتے جاتے تھے۔

آنے والا غریب لڑکا کچھ دیر خاموشی سے استاد صاحب کی باتیں سنتا رہا۔ اور پھر مسجد کے فرش سے ایک تنکا اٹھا کر اس سے اپنی ہاتھ کی ہتھیلی پر اس طرح لکھنے لگا جیسے وہ تختی پر لکھ رہا ہو۔ کبھی کبھی وہ اس تنکے کا سرا اپنے منہ میں لے کر اسے تھوک سے بھگو لیتا تھا، یوں جیسے قلم کو روشنائی سے بھگو رہا ہو۔

جب لڑکوں کو چھٹی ہوئی اور وہ اپنے اپنے گھروں کو جانے لگے تو استاد صاحب نے غریب لڑکے کو اپنے پاس بلایا اور کہا:

''بیٹا جب ہم بچوں کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پڑھا رہے تھے تو تم

بار بار تنکا منہ میں ڈالتے تھے اور اسے تھوک میں بھگو کر اپنی ہتھیلی پر لکھنے لگتے تھے۔ یہ تو بڑی غلط بات ہے۔''

لڑکے نے ادب سے جواب دیا:

''جناب میں حدیث کی توہین نہیں کر رہا تھا، بلکہ آپ جو کچھ پڑھا رہے تھے اسے لکھ رہا تھا۔''

استاد صاحب بولے:

''اگر یہ بات ہے تو آگے آؤ اور ہمیں اپنی ہتھیلی دکھاؤ۔''

غریب طالب علم بولا:

''جناب تھوک تو خشک ہو گیا۔ میرے ہاتھ پر اب کوئی نشان نہیں ہے۔''

''پھر تم نے تھوک سے لکھنے کی کوشش کیوں کی؟ یہ بات تو معمولی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ تھوک بہت جلد سوکھ جاتا ہے۔'' استاد نے کہا۔

''لیکن جناب میں ایسا اس لئے کر رہا تھا کہ مجھے وہ پورا سبق یاد ہو جائے جو جناب پڑھا رہے تھے۔ اور خدا کے فضل سے مجھے وہ ساری باتیں یاد ہو گئی ہیں۔ اگر آپ فرمائیں تو سناؤں''

استاد نے فرمایا: ''ہاں سناؤ۔''

اس غریب لڑکے نے وہ ساری احادیث ٹھیک ٹھیک سنا دیں جو استاد صاحب نے پڑھائی تھیں۔

استاد نے اسے سینے سے لگا لیا اور کہا: ''پیارے بیٹے روز پڑھنے آیا کرو۔ ہمیں یقین ہے کہ تم بڑے ہو کر بہت بڑے عالم بنو گے۔''

استاد صاحب کی یہ بات بالکل سچ ثابت ہوئی۔ وہ غریب طالب علم بڑا ہو کر حضرت امام شافعیؒ کہلائے اور ایسی عزت وشہرت پائی کہ خاص خاص لوگوں کو ہی ملتی ہے۔



برائی کا پھل



یہ سبق آموز کہانی مجھے اچھی لگی۔ بچو ہمیشہ اپنے لئے جو پسند کرو وہی اپنے بھائی کیلئے پسند کرو۔ ہمیں تو یہ تعلیم رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آج سے ۱۵۰۰ سال قبل ہی دے دی تھی۔ کہتے ہیں جو دوسروں کیلئے گڑھا کھودتا ہے خود بھی اس میں جا گرتا ہے۔ آپ تو بہت اچھے بچے ہیں۔ ہمیشہ اچھے کام کرو۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کے ساتھ ہو۔

انگلستان کے قریب سمندر میں ایک چٹان تھی۔ جس کا نام ''انچ کیپ'' تھا۔ یہ بڑی خطرناک چٹان تھی۔ طوفان کے وقت جب پانی اُس کے اُوپر آجاتا تھا تو یہ دکھائی نہیں دیتی تھی اور جہاز اس سے ٹکرا جاتے تھے۔

آخر گرجا کے ایک راہب نے سوچا کہ جہازوں کی حفاظت کا کوئی انتظام ہونا چاہیئے۔ اُس نے سوچ سوچ کر اس چٹان کے قریب ایک گھڑیال لگا دیا جو ایک خالی پہیئے کے سہارے تیرتا رہتا تھا اور جب پانی اُس کے اُوپر آجاتا تھا تو وہ بجنے لگتا تھا۔ اور اس طرح جہاز دُور ہی سے اُس کی آواز سن کر دوسری طرف چلے جاتے اور خطرے سے بچ جاتے تھے۔ جس کے لئے وہ سب اُس راہب کو دُعائیں دیتے تھے۔ ایک دن سمندر بالکل ساکن تھا اور گھڑیال نہیں بج رہا تھا۔ ایک نامی قزاق نے گھڑیال کو دیکھا۔ اُس نے آدمیوں سے کہا وہ کشتی کو چٹان کے پاس لے چلیں۔ جب کشتی گھڑیال کے پاس پہنچی تو اُس نے جھک کر گھڑیال کو پہیئے سے الگ کر دیا۔ گڑگڑ کی آواز آئی اور وہ ڈوب گیا، گھڑیال ڈوبنے سے کچھ بلبلے بنے اور پھٹ گئے۔ قزاق نے کہا:

''اب جو یہاں آئے گا وہ اس راہب کو دُعائیں نہیں دے گا''۔

کچھ عرصہ بعد جب وہی قزاق اسکاٹ لینڈ کے ساحل پر جہازوں کو لوٹ کر اور مال و دولت لیکر واپس جا رہا تھا تو سخت طوفان آیا۔ اُسی قزاق کا جہاز موجوں میں گھر کر اِدھر اُدھر چکر لگانے لگا اور یکا یک وہ انچ کیپ کی چٹان سے ٹکرا گیا۔ اُس کے آدمیوں نے جہاز کو بچانے کی بہت کوشش کی مگر کچھ نہیں ہو سکا اور جہاز سب آدمیوں سمیت، جن میں وہ خود بھی شامل تھا، ڈوب گیا..... قزاق نے دوسرے جہازوں کو ڈبونے کا سامان کیا تھا مگر اس کا اپنا جہاز بھی ڈوب گیا۔ سچ ہے:

''جو دوسروں کے لئے گڑھا کھودتا ہے وہ خود اُس میں گرتا ہے''

(انگریزی ادب سے ماخوذ)



شریر کے ساتھ اچھا سلوک



یہ کہانی بڑی ہی پیاری اور سبق آموز ہے جس میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں بلکہ نیکی سے دینا چاہئے۔ نیکی بہت بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا اجر عظیم عطا کرتا ہے۔ جبھی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نظم میں بھی فرمایا ہے کہ:

گالیاں سن کر دعا دو پا کے دکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

بچو ہمیشہ یاد رکھو کہ آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم پر عمل کرنا ہے۔
لو بچو! اب یہ کہانی بھی پڑھ لو اور نیکی کا سبق سیکھو۔ صبر اور دعا سے کام لینا چاہئے۔ خدا تعالیٰ صبر کو پسند کرتا ہے۔

پرانے زمانے کی بات ہے کہ حضرت مالک بن دینارؒ کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا۔ یہ یہودی مسلمانوں کا بہت دشمن تھا۔ ہر وقت اسی فکر میں رہتا کہ کس طرح مسلمانوں کو نقصان پہنچائے۔

وہ حضرت مالک بن دینارؒ کو ستانے کیلئے اپنے گھر کا سارا کوڑا کرکٹ ان کے گھر کے اندر پھینک دیتا تھا۔ اس کی اس شرارت کی وجہ سے حضرت مالک بن دینارؒ کے گھر کی وہ جگہ بھی گندی ہو جاتی تھی جہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے۔

یہ بہت ہی غصہ دلانے والی بات تھی۔ کوئی عام آدمی ہوتا تو شرارت کرنے والے یہودی کو اس

کی اس شرارت کی سزا دیتا اور پولیس میں شکایت کر کے اس کو گرفتار کرا دیتا۔لیکن حضرت مالک بن دینارؒ صبر سے کام لیتے۔ جب وہ کوڑا کرکٹ پھینکتا تھا تو آپ اپنے ہاتھ سے اپنا مکان صاف کرتے اور پھر اطمینان سے اللہ پاک کی عبادت میں مصروف ہو جاتے۔

یہودی روز یہ خیال کرتا کہ آج تو ان بڑے میاں کو ضرور ہی غصہ آئے گا اور غصہ میں بھر کر خوب چیخیں چلائیں گے۔ مجھ سے لڑیں گے اور محلہ والے تماشا دیکھیں گے۔لیکن اس کا یہ خیال کبھی پورا نہ ہوا۔

حضرت مالک بن دینارؒ سچے دل سے اللہ پاک کے اس حکم پر عمل کرتے تھے کہ اگر کوئی تمہارے ساتھ برائی کرے تو تم اس کے ساتھ بھلائی کرو۔ایسا کرنے سے وہ تمہارا دوست بن جائے گا۔

اب ہوا یہ کہ حضرت مالک بن دینارؒ کے اس صبر اور حوصلے کی وجہ سے خود یہودی پریشان رہنے لگا۔اسے بار بار خیال آتا کہ یہ عجیب شخص ہے کہ اسے غصہ آتا ہی نہیں۔ آخر ایک دن وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا:

''حضرت جی فرمایئے کہ میری وجہ سے آپ کو کسی طرح کی تکلیف تو نہیں ہوتی ؟''

حضرت مالک بن دینارؒ نے کہا:

''تکلیف کیسی؟ میں تو اپنے پڑوسیوں سے بہت خوش ہوں۔ بلکہ ان کی کسی طرح سے خدمت کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمسایوں کے اس قدر حقوق احادیث میں بیان فرمائے ہیں کہ ایک صحابی نے حضورؐ سے یہ حقوق سن کر یہ خدشہ ظاہر فرمایا کہ کہیں ہمسایوں کو حضورؐ جائیداد میں بھی حصہ دار نہ قرار دے دیں۔میرے ہمسائے تو اتنے صفائی پسند ہیں کہ میں ان پر رشک کرتا ہوں اور پھر یہ کہ وہ خود میرے گھر پر پہنچے ہیں

یہ پوچھنے کو کہ کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔‘‘

اس پر وہ پڑوسی بہت شرمندہ ہوا اور اچھی طرح سمجھ گیا کہ حضرت مالک بن دینارؒ کیا کہنا یا سمجھانا چاہتے تھے۔ پڑوسی نے ان سے معافی مانگی اور آئندہ کبھی ایسے نہ کیا بلکہ اچھے بااخلاق ہمسائے کی طرح ان کی صحبت میں آ کر بیٹھنے لگا اور ایک اچھا انسان بن گیا۔

دیکھا بچو صبر اور دعا کا انجام۔ یہ کہانی بڑی ہی سبق آموز ہے اس پر ضرور عمل کرنا چاہیے۔



شرارت کی سزا



ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شہر میں دو دوست رہتے تھے۔ایک کا نام ظفر تھا اور دوسرے کا نام منصور۔منصور ظفر کے گھر ٹھہرا ہوا تھا کیونکہ اُس کے ماں باپ شہر سے دُور ایک گاؤں میں رہتے تھے۔اُن دنوں چوروں اور ڈاکوؤں کا عام چرچا تھا۔اکثر وارداتیں ہوتی رہتی تھیں اور لوگ چوروں کے خوف سے سہمے رہتے تھے۔

ایک دن ظفر کو ایک شرارت سوجھی۔ظفر نے اپنے دوست کو ڈرانے کا پروگرام بنایا کیونکہ وہ اکثر گاؤں میں اپنی بہادری کے قصے سناتا رہتا تھا۔ظفر نے ڈاکوؤں جیسا لباس پہنا اور ہاتھ میں نقلی پستول لیا اور اپنے منہ پر نقاب ڈال کر منصور کے کمرے کا رُخ کیا۔ظفر دبے پاؤں چلتا ہوا منصور کے کمرے میں پہنچا۔آہستہ سے دروازہ کھولا اور کمرے کا جائزہ لینے لگا۔منصور اپنے بستر پر خاموش سو رہا تھا۔ ہر شے پر سکوت چھایا ہوا تھا۔کمرہ میں صرف منصور تھا اور اس کے خراٹوں کی آواز آرہی تھی۔ٹیبل لیمپ کی مدھم روشنی میں ظفر نے اِدھر اُدھر دیکھا تو اچانک ظفر کے منہ سے چیخ بلند ہوئی۔اور ظفر کانپنے لگا۔

کیونکہ اُس کے سامنے اُس جیسا ہی ایک ڈاکو پستول تانے کھڑا تھا۔ظفر نے چور چور چلانا شروع کیا اور بدحواس ہوکر پستول اس کے سر پر دے مارا۔

ایک چھن کی آواز آئی اور سامنے والا قدآدم آئینہ چکنا چور ہوگیا۔ارے یہ کیا؟

منصور اچانک اٹھ بیٹھا اور گھر کے دوسرے افراد بھی ظفر کی آواز سن کر جاگ گئے۔دراصل ظفر آئینہ میں اپنا عکس دیکھ کر ڈر گیا تھا اور اُسے چور سمجھ کر پستول اُس پر دے مارا تھا۔جس سے وہ آئینہ

ٹوٹ گیا تھا۔

ظفر اپنی بزدلی، حماقت اور بدحواسی پر دل ہی دل میں شرمندہ ہوا جاتا تھا۔ گھر کے سب لوگ ظفر کا مذاق اُڑا رہے تھے۔ ظفر کو اپنی شرارت کی سزا ملی تھی اور وہ اپنی اس حماقت پر بہت زیادہ شرمندہ تھا۔

دیکھا بچو! کتنا بُرا نتیجہ ہوا شرارت کا جس میں اپنے دوست کو ڈرانے کیلئے جو ترکیب کی اُس سے اپنے آپ کو ہی شرمندگی اُٹھانا پڑی۔ گھر کے افراد کی نظر میں گر گیا اور آئندہ کیلئے یہ سبق سیکھا کہ پھر کبھی ایسی حرکت نہ کروں گا۔

بچو آپ بھی اچھے اچھے کام کیا کرو اور اپنی عقل اور سمجھ بوجھ سے کام کیا کرو۔



دارا بادشاہ کی کہانی



دارا ایران کا ایک مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ ایک دن وہ شکار کھیلتے ہوئے لشکر سے جدا ہو گیا اور درخت کے سائے تلے بیٹھ کر ساتھیوں کی راہ تکنے لگا۔ اتنے میں اسے دور سے ایک آدمی دوڑتا ہوا اس کی طرف آتا دکھائی دیا۔ بادشاہ نے سوچا ہو نہ ہو یہ کوئی دشمن ہے۔ اس نے ابھی تیر کو کمان میں جوڑ کر نشانہ باندھا ہی تھا کہ وہ آدمی وہیں ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا اور بادشاہ کو دعائیں دینے لگا۔ بادشاہ نے تیر چلانے سے ہاتھ روک لیا اور اس آدمی کو پاس بلایا۔ حال پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ آدمی شاہی چراگاہ کا رکھوالا ہے اور بادشاہ کو دیکھ کر سلام کرنے حاضر ہوا ہے۔ دارا نے کہا:

''تم نے بہت اچھا کیا کہ دور سے ہی دعا سلام کا تار باندھ دیا ورنہ میں تو دشمن سمجھ کر تیر چلانے ہی والا تھا۔''

رکھوالے نے عرض کیا:

''حضور میں آپ کا پرانا نوکر ہوں۔ کئی بار آپ کی خدمت میں حاضر ہو چکا ہوں۔ تعجب ہے کہ حضور مجھے پہچانتے نہیں۔ حالانکہ میرے پاس حضور کے ایک ہزار گھوڑے ہیں میں ان میں سے ایک ایک گھوڑے کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ ان کی شکلیں یاد رکھتا ہوں اور ان کی چال پہچانتا ہوں۔ بس ایک اشارے کی دیر ہے آپ جس گھوڑے کی حاضری کا حکم دیں پل بھر میں لا کر پیش کر سکتا ہوں۔ یہ کوئی ہنر کی بات نہیں بلکہ میرا فرض ہے۔ بادشاہ بھی میری طرح اپنی رعایا کا رکھوالا ہے۔ بادشاہ کو بھی اپنی سب رعایا کا حال جاننا چاہیئے۔ اپنے ہر ایک نوکر کو پہچاننا چاہیئے۔ وہ بادشاہ کیسا جو اچھے برے کو نہ پہچانے اور

دوست اور دشمن میں تمیز نہ کر سکے۔''

دیکھا بچو! ایک نوکر نے ہی بادشاہ سلامت کو ایسا سبق دیا جو وہ نہ جانتا تھا۔ اس لئے ہمیشہ جلد بازی سے بھی کام نہ لو اور کبھی نوکر کو حقیر یا کم عقل نہ سمجھو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ آپ سے زیادہ علم اور عقل رکھتا ہو۔



خزانے کا چراغ



بچو کوشش کر رہی ہوں کہ ہر کہانی آپ کیلئے کوئی سبق یا نیکی کی بات بتانے والی ہو۔ یہ کہانی جس کا نام خزانے کا چراغ ہے، ایک ایسا سبق دیتی ہے کہ آپ ایک اچھے ایماندار اور صاف دل انسان بن کر خدا کے مقرب بندے بن سکتے ہیں۔ کتنی اچھی بات کا علم ہوتا ہے اس کہانی سے۔

یہ اس زمانے کی بات ہے جب ملک شام کا مشہور شہر دمشق اسلامی سلطنت کا دار الحکومت تھا۔ شہر کے باشندے دن بھر اپنا اپنا کام کرنے کے بعد بستروں میں آرام کر رہے تھے، لیکن مسلمانوں کا سب سے بڑا حاکم یعنی خلیفہ چراغ کے سامنے بیٹھا ہوا ضروری کاغذات دیکھ رہا تھا اور ان پر حکم لکھ رہا تھا۔

خلیفہ اپنے اس کام میں مصروف تھا کہ اس کا ایک واقف کار اس سے ملنے کیلئے گیا۔ خلیفہ نے بہت عزت سے اسے اپنے پاس بٹھایا اور پھر چراغ بجھا کر جس کی روشنی میں وہ کام کر رہا تھا اپنے مہمان سے باتیں کرنے لگا۔

خلیفہ اور اس کا مہمان کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ پھر مہمان نے جانے کی اجازت مانگی، لیکن اٹھنے سے پہلے سوال کیا:

''جناب! میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے وہ چراغ کیوں بجھا دیا جس کی روشنی میں آپ کام کر رہے تھے؟''

خلیفہ نے کہا:

’’بھائی! جس چراغ کی روشنی میں مَیں حکومت کا کام کر رہا تھا، اس کے تیل کی قیمت حکومت کے خزانے سے لی گئی تھی۔ جب آپ تشریف لائے تو میں نے خیال کیا کہ آپ کی اور میری ملاقات کسی سرکاری ضرورت کیلئے نہیں ہے، پھر سرکاری تیل کیوں جلایا جائے۔ چنانچہ میں نے چراغ بجھا دیا۔‘‘

یہ واقعہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ہے اوراس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حکومت کے خزانے کی کس طرح حفاظت کرتے تھے۔

حکومت کا خزانہ اس روپیہ سے جمع ہوتا ہے جو ملک کے باشندوں سے زمین کے لگان اور مختلف محصولوں کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے اور یہ روپیہ حاصل کرنے کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کو ملک کی حفاظت اور لوگوں کی بھلائی کے کاموں پر خرچ کیا جائے۔



سکے کیسے بنائے جاتے ہیں؟



ننھے منے پھول جیسے پیارے بچو! آپ کو اکثر ابو، دادا، دادی، چاچا، ماموں، ممانی، خالہ وغیرہ سے چند پیسے سکوں کی شکل مل جاتے ہیں۔ پھر آپ اُن سکوں سے چاکلیٹ خرید کر کھاتے ہیں۔ لیکن کبھی آپ نے سکے کی حقیقت پر غور کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ کیا چیز ہے؟ کیسے بنتا ہے؟ کہاں بنایا جاتا ہے؟ ظاہر بات ہے آپ نے گول گپے کھانے کے سوا کچھ نہیں سوچا ہوگا اور پھر سوچ کر کریں گے بھی کیا؟

آیئے ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ سکہ کیا ہے اور کہاں بنتا ہے؟

یہ سکے ایک مخصوص قسم کی دھات کے آمیزے سے بنائے جاتے ہیں۔ اس دھاتی آمیزے کو پگھلا کر ڈائیوں میں ڈالا جاتا ہے۔ اس عمل کے بعد سکے اپنی ظاہری شکل میں آجاتے ہیں جیسے کہ آپ دیکھتے ہیں۔ یہ عمل مشینوں کے ذریعے ہوتا ہے جہاں سکے بنائے یا ڈھالے جاتے ہیں۔ اس عمارت یا ورکشاپ کو ٹکسال کہتے ہیں۔

دنیا کے مختلف ممالک اپنی اپنی ٹکسال نہیں رکھتے اور دیگر ممالک سے اپنی ضرورت کے مطابق سکے بنواتے ہیں۔

ہمارے وطن پاکستان میں بھی سکے بنانے والی ایک ٹکسال موجود ہے۔ یہاں نہ صرف اپنی ملکی ضرورت کیلئے سکے تیار کئے جاتے ہیں بلکہ دوسرے ملکوں کی کرنسی بھی تیار ہوتی ہے۔ پاکستان کے سکے دنیا بھر کے ملکوں میں خوبصورت شمار کئے جاتے ہیں۔

ہر ملک کا سکہ دوسرے ممالک کے سکوں سے مختلف ہوتا ہے اور اپنی خوبیوں کے لحاظ سے بھی

جداگانہ ہوتا ہے۔مثلاً آسٹریلیا میں عجیب وغریب قسم کے جانور پائے جاتے ہیں جن میں سے ایک کنگارو بھی ہے۔ اسی نسبت سے آسٹریلیا کے سکوں پر مختلف جانوروں کی تصاویر کندہ ہوتی ہیں۔

انگلستان کے لوگ اپنے حکمرانوں اور شہزادوں سے خاص محبت رکھتے ہیں اسی وجہ سے وہاں کے سکوں پر بادشاہ یا ملکہ کی تصویر ہوتی ہے۔



دولت



کسی ملک میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا جسے اپنی رعایا کا کوئی خیال نہ تھا۔ اِس کو اپنی دولت سے بہت محبت تھی ۔اس کا روز کا یہ کام تھا کہ وہ صبح ناشتے کے بعد اپنے دولت خانے میں چلا جاتا، دوپہر تک اپنی دولت کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا رہتا۔ دوپہر کو کھانے کے بعد پھر دولت خانے میں چلا جاتا اور رات کو واپس آتا۔ اس کی اِس عادت سے رعایا بہت تنگ تھی۔ ملک کی ترقی رُک گئی تھی۔ رعایا بھوک سے مر رہی تھی اور بادشاہ سلامت اپنی دولت میں مست تھے۔

ایک دن بادشاہ سلامت حسبِ عادت دولت خانے میں داخل ہوئے اور دولت سے کھیلنا شروع کر دیا۔ اُن کا ایک غلام جو کافی عقلمند تھا اُس نے باہر سے تالا لگا دیا۔ بادشاہ سلامت کو دوپہر کو جب بھوک لگی تو اُنہوں نے دولت خانے سے باہر آنا چاہا تو دروازہ باہر سے بند پایا، کافی پریشان ہوا اور ہوتے ہوتے شام ہوگئی۔ بادشاہ سلامت کا بھوک سے بُرا حال تھا۔ جس دولت کو وہ دنیا کی طاقت سمجھتا تھا وہ اُس کیلئے بیکار تھی کیونکہ بھوک تو روٹی سے ختم ہو سکتی تھی۔

رات کو غلام نے باہر سے تالا کھول دیا۔ بادشاہ سلامت جب باہر آئے تو معلوم کیا کہ دولت خانے کا دروازہ کس نے بند کیا تھا۔ غلام نے عرض کی:

''حضور! یہ دروازہ میں نے بند کیا تھا۔''

تمام لوگ خوف کے مارے کانپ رہے تھے کہ دیکھیں غلام کو کیا سزا ملتی ہے۔ لیکن غلام کو بادشاہ سلامت نے یہ کہتے ہوئے آزاد کر دیا کہ:

''تو نے میری آنکھیں کھول دیں کیونکہ میں آج تک یہ سمجھتا تھا کہ یہ دولت ہی

سب کچھ ہے۔اس سے بڑھ کر دُنیا میں کوئی چیز نہیں ہے۔"

پھر بادشاہ سلامت نے اپنی دولت اپنے ملک کی ترقی میں لگا دی۔اس طرح اس کا ملک ایک ترقی یافتہ ملک بن گیا۔

دیکھا بچو! غریب غلام نے کیسا سبق ایک امیر بادشاہ کو سکھایا جس سے لاکھوں کا بھلا ہو گیا۔



ایک بزرگ اور چور کی کہانی



بچو یہ کہانی سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد اوّل میں مَیں نے پڑھی اور دل چاہا کہ اس کتاب میں بھی لکھ دوں تا کہ آپ بچے بھی اس کو پڑھ لیں اور سبق سیکھ لیں۔

ایک بزرگ کہیں سفر پر جا رہے تھے۔ اُن کا گزر ایک جنگل سے ہوا جہاں ایک چور رہتا تھا جو ہر آنے جانے والے مسافر کو لوٹ لیا کرتا تھا۔ جب اُس نے بزرگ کو جنگل میں اکیلا پایا تو اپنی عادت کے مطابق اس بزرگ کو بھی لوٹنے لگا۔ بزرگ موصوف نے فرمایا:

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ۔

تمہارا رزق آسمان پر موجود ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

(الذاریات: ۲۳)

چور کے دل پر اثر ہوا۔ اس نے بزرگ موصوف کو چھوڑ دیا اور اُن کی بات پر عمل کر لیا۔ یہاں تک کہ اس کو سونے چاندی کے برتنوں میں عمدہ عمدہ کھانے ملنے لگے۔ وہ کھانا کھا کر برتنوں کو جھونپڑی کے باہر پھینک دیتا۔ اتفاقاً پھر کبھی وہی بزرگ اُدھر سے گزرے تو اس چور نے جواب بڑا نیک بخت اور متقی ہو گیا تھا اس بزرگ سے ساری کیفیت بیان کی اور کہا کہ مجھے اور آیت بتلاؤ تو بزرگ موصوف نے سورۃ الذاریات کی آیت نمبر 24 تلاوت فرمائی:

فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ

یہ پاک الفاظ سن کر اس پر ایسا اثر ہوا کہ خدا تعالیٰ کی عظمت اس کے دل میں بیٹھ گئی۔ پھر

تڑپ اُٹھا اور اسی حالت میں جان دے دی۔

پس اے عزیزو! تم نے دیکھا کہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرنے سے کیا کیا نعمتیں ملتی ہیں اور تقویٰ اختیار کرنے سے کیسی دولت ملتی ہے۔ غور کر کے دیکھو! خدا تعالیٰ جو زمین و آسمان کے رہنے والوں کی پرورش کرتا ہے کیا اس کے ہونے میں کوئی شک وشبہ ہوسکتا ہے؟ وہ پاک اور سچا خدا ہی ہے جو ہم تم سب کو پالتا ہے۔ پس خدا ہی سے ڈرو اسی پر بھروسہ کرو اور نیکی اختیار کرو۔



ایک بزرگ اور اپاہج کا واقعہ



بچو! یہاں میں ایک پر اثر واقعہ درج کرتی ہوں جو حضرت مصلح موعودؓ نے بیان فرمایا ہے:

حضور رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ کی طرف ایک دفعہ سرکاری سمن (نوٹس) آیا کہ بعض لوگوں کی طرف سے لگائے جانے والے ایک الزام کی جوابدہی کے لئے فوراً حکومت کے سامنے حاضر ہوں۔ وہ حیران رہ گئے کیونکہ وہ تو ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے مگر چونکہ سرکاری سمن تھا اسلئے چل پڑے۔ دس بیس میل گئے تھے کہ آندھی آئی اور بارش شروع ہوگئی۔ وہ اس وقت جنگل میں تھے اور صرف چند جھونپڑیاں وہاں نظر آئیں وہ ایک جھونپڑی کے قریب پہنچے اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ اجازت ملنے پر اندر گئے تو دیکھا کہ ایک شخص چارپائی پر پڑا ہے۔ اس نے محبت اور پیار کے ساتھ اُنہیں اپنے پاس بٹھالیا اور نام وغیرہ پوچھا۔ انہوں نے اپنا نام بتایا اور کہا کہ بادشاہ کی طرف سے مجھے ایک سمن پہنچا ہے جس کی تعمیل کیلئے میں جارہا ہوں اور میں حیران ہوں کہ مجھے یہ سمن کیوں آیا کیونکہ میں نے کبھی دنیوی جھگڑوں میں دخل نہیں دیا۔

وہ بیمار شخص یہ واقعہ سن کر کہنے لگے کہ گھبرائیں نہیں۔ یہ سامان اللہ تعالیٰ نے آپ کو میرے پاس پہنچانے کیلئے کیا ہے۔ میں اپاہج ہوں لیکن آپ کی بزرگی کی شہرت میرے کانوں تک پہنچی تو میں ہمیشہ دعائیں کیا کرتا تھا کہ یا اللہ قسمت والے تو وہاں چلے جاتے ہیں۔ میں اس بزرگ کے قدموں تک کس طرح پہنچ سکتا ہوں۔ تو ایسے سامان پیدا فرما کہ میری ان سے ملاقات ہو جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس سمن کے بہانے اللہ تعالیٰ آپ کو محض میرے لئے یہاں لایا ہے۔

ابھی وہ باتیں ہی کررہے تھے کہ باہر سے کسی نے بارش کی وجہ سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ جب وہ اندر آیا تو معلوم ہوا کہ وہ سرکاری پیادہ تھا۔ وہ کہنے لگا بادشاہ کی طرف سے مجھے حکم ملا ہے کہ میں فلاں بزرگ کے پاس جاؤں اور اس سے کہوں کہ دراصل وہ سمن کسی اور کے نام تھا مگر نام میں مشابہت کی وجہ سے وہ آپ کو جاری ہوگیا۔ اس لئے آپ کے آنے کی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جولوگ ہم میں ہوکر اور ہم سے مدد مانگتے ہوئے اپنے مقاصد کیلئے جدوجہد کرتے ہیں ہم اس مقصد کے حصول کے لئے ان پر دروازے کھول دیتے ہیں۔

(سیر روحانی)



کیمرہ کی کہانی



یہ کہانی میں نے ''لاہور'' رسالہ میں پڑھی تھی۔ اچھی لگی اس لئے آپ کیلئے بھی نوٹ کرلی ہے۔ یہ تو سبھی کو معلوم ہے کہ کہانی معلوماتی بھی ہوتی ہے اور دینی و دنیاوی علم کیلئے بھی ہوتی ہے۔ میں کوشش کرتی ہوں کہ آپ سب بچوں کو دین کے علم کے ساتھ ساتھ دنیا کا علم بھی حاصل ہو۔

آج کل کیمرے کی بھی کئی قسمیں اور شکلیں نکل آئی ہیں۔ حتیٰ کہ فون جو آپ ہاتھ میں لئے پھرتے ہیں اور اس کا سائز ایک چھوٹی ڈبیہ کی مانند ہے چار بائی دو انچ ہو کر رہ گیا ہے۔ اس سے بھی آپ کہیں بھی بیٹھے تصویر کھینچ سکتے ہیں اور چند منٹوں میں بذریعہ ای میل دوسرے ملک اپنے عزیزوں، دوستوں اور جس کسی کو بھی بھجوانا مقصود ہو، بھیج سکتے ہیں۔ ان چیزوں کا صحیح استعمال کرنا چاہئے۔

یہ راز صدیوں پہلے معلوم کرلیا گیا تھا کہ بعض کیمیائی مرکبات پر جب روشنی کی شعاعیں پڑتی ہیں تو وہ اپنا رنگ تبدیل کرلیتے ہیں۔ روشنی کی شعاعیں چاندی کے بعض مرکبات مثلاً سلور برومائیڈ وغیرہ کو سیاہ کر دیتی ہیں۔ یہی مرکبات فوٹو گرافی کے لئے فلمیں تیار کرنے کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔

یہ فلمیں کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ کم از کم ایک تہہ ایسی ہوتی ہے جو روشنی کا اثر جلد قبول کرلیتی ہے۔ اس تہہ کو ایملشن کہتے ہیں۔ بلیک اینڈ وائٹ فلم میں پلاسٹک یا شیشے پر ایملشن کی ایک ہلکی تہ

چڑھائی ہوتی ہے۔اس میں سلور برومائیڈ کی چھوٹی فلمیں ایک اور مادے جلاٹین میں ملی ہوئی ہوتی ہیں۔

جوزف وہ پہلا شخص تھا جس نے ۱۸۲۶ء میں پہلی تصویر بنائی۔لوئیس ڈیگور کے ساتھ مل کر کئی سال کام کیا اور تصویر بنانے کے عمل کو بہتر بنایا۔ٹاپلس کی وفات کے بعد ڈیگور نے اس کام کو جاری رکھا۔۱۸۳۵ء میں فوکس ٹیلبوٹ فوٹوگرافی کیلئے نیگیٹو بنانے میں کامیاب ہوگیا۔

تصویر اتارنے کے عمل میں جب کیمرے کا شٹر کھلتا ہے تو جس شے کی تصویر اتارنا مقصود ہوتی ہے اس سے روشنی منعکس ہوکر ایملشن پر پڑتی ہے۔روشنی جسم کے مختلف حصوں سے مختلف مقدار میں سلور برومائیڈ کی فلموں کو متاثر کرتی ہے۔تیز روشنی کا ردعمل تیز ہوتا ہے اور ہلکی روشنی کا ردعمل ہلکا ہوتا ہے۔اس طرح سے ایملشن پر ایک نظر نہ آنے والا عکس بن جاتا ہے اس کو مخفی عکس کہا جاتا ہے۔

اس عکس کو ابھارنے کیلئے اسے دھویا یعنی ڈیولپ کی جاتا ہے تاکہ ایملشن کو کوئی دوسری روشنی متاثر نہ کرسکے۔فلم کو ایک خاص وقفے کیلئے ۲۰ ڈگری سینٹی گریڈ حرارت پر ایک ڈش یا ٹینک میں رکھا جاتا ہے جس میں ایک محلول ہوتا ہے جس کو ڈیولپر کہتے ہیں۔یہ ڈیولپر روشنی سے متاثر ایملشن کو بھورے یا کالے رنگ میں تبدیل کردیتا ہے۔بھورے یا کالے رنگ کے عکس کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ فلم کے مخصوص حصے پر کتنی مقدار میں روشنی پڑتی ہے۔اس عکس میں روشنی اور تاریک حصے ایک دوسرے کے الٹ ہوجاتے ہیں۔جس سے سیاہ حصے فلم پر سفید نظر آتے ہیں اور سفید حصے سیاہ نظر آتے ہیں۔اس عکس کو اس لئے نیگیٹو کہا جاتا ہے۔اس تمام عمل سے گزرنے کے بعد آپ کی خوبصورت سی تصویر آپ کے سامنے آجاتی ہے۔



13 کا ہندسہ



پیارے بچو! آپ نے یہ تو کبھی سوچا بھی نہ ہوگا کہ ہندسوں سے کیا ہوتا ہے۔ البتہ یہ سوال آپ میں سے اکثر کرتے ہوں گے کہ ارکانِ اسلام پانچ کیوں ہیں اور نمازیں پانچ کیوں ہیں اور سات کے ہندسہ کو کیوں اچھا یا مبارک سمجھتے ہیں۔ آج میں آپ کو اور ہندسوں کو چھوڑ کر صرف ۱۳ تیرہ کے ہندسہ کے بارہ میں جو توہمات ہیں وہ بتاتی ہوں۔ مگر ہم مسلمانوں اور خاص طور پر احمدیوں کو کسی ہندسہ سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرے پرانے گھر کا نمبر ۱۳ تھا۔ انگریز سہیلیوں نے بہت کہا کہ یہ نمبر تو منحوس ہوتا ہے۔ خدا خیر کرے ہمیں تو اس گھر سے بے شمار برکتیں اور فضل ملے۔

حضور اقدس حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ تین مرتبہ ہمارے غریب خانہ پر تشریف لائے اور خاندانِ مبارکہ کی مستورات کثرت سے تشریف لاتی رہیں۔ میرے تین بچوں کی شادیاں اسی گھر سے ہوئیں اور جب یہ گھر فیملی بڑھنے کی وجہ سے چھوٹا پڑنے لگا تو بڑا گھر اللہ تعالیٰ نے دے دیا اور کبھی اس نمبر ۱۳ کا کوئی بداثر ہماری زندگیوں پر نظر نہیں آیا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

لیجئے یہ دلچسپ کہانی نمبر ۱۳ کی پڑھیں اور اپنے اپنے تجربات سے یہ ثابت کردیں کہ انسان کو توہمات کا شکار ہرگز نہیں ہونا چاہیئے بلکہ خدا تعالیٰ کی ذات اور صفات پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔

برطانیہ اور امریکہ میں عموماً 13 کا ہندسہ منحوس تصور کیا جاتا ہے اور اسے تباہی اور بربادی کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں عام طور پر کثیر المنازل عمارتوں میں بارہویں منزل کے بعد تیرہویں منزل کی بجائے چودہویں منزل کہا جاتا ہے۔ لوگ 13 نمبر کے مکان میں نہیں

رہتے۔ہوٹلوں میں 13 نمبر کمرہ، 13 نمبر میز اور 13 نمبر ویٹر اور مینو میں 13 نمبر پر کوئی چیز درج نہیں ہوتی۔

برطانوی اور امریکی باشندے 13 نمبر کی نحوست سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ کبھی 13 تاریخ کو کوئی اہم کام نہیں کرتے۔کوئی مقدمہ دائر نہیں کرتے۔نہ ہی 13 تاریخ کو کسی مقدمے کی پیشی کو پسند کرتے ہیں۔اس بات کا انکشاف کرتے ہوئے وائس آف امریکہ نے بتایا کہ 13 نمبر کی نحوست کا ایک اہم ثبوت اس وقت ملا جب کہ ایک پولیس کانسٹیبل نے جس کا نمبر 13 تھا، بتایا کہ اپنے نمبر کی وجہ سے گذشتہ دس سالوں سے میں مصیبت میں مبتلا ہوں۔اسی عرصہ کے دوران ایک دفعہ کھیلنے کی وجہ سے میری ٹانگ ٹوٹ گئی۔ میرے دو بچے حادثات کا شکار ہو گئے۔والدین کو بھی پے در پے حادثات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔اس 13 نمبر کی نحوست میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہی۔

وائس آف امریکہ کے مطابق کانسٹیبل کی اس درد بھری داستان پر حکومت کو اس نمبر پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔اور کافی سوچ و بچار کے بعد اس کا نمبر تبدیل کر کے اسے 1025 نیا نمبر مل گیا۔

کانسٹیبل گارڈن بوتھ نے نیا نمبر ملنے کے بعد خوشی منائی اور اس میں اعلان کیا کہ نیا نمبر ملنے کے بعد اس کے حالات بہتر ہو رہے ہیں۔اور اس کے خاندان پر سے نحوست کا سایہ چھٹتا جا رہا ہے۔

لیکن دراصل اس قسم کے واقعات اتفاقی یا حادثاتی ہو سکتے ہیں۔13 نمبر سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔اور ہم تو اللہ کے فضل سے احمدی مسلمان ہیں۔ہمیں تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اس کے پیارے مسیحؑ نے ان تمام بدعتوں سے پاک کر دیا ہے۔

تو پیارے بچو! آپ کو اپنے ماحول میں اپنے دوستوں سے بات کر کے انہیں ان توہمات سے نکالنے کی کوشش کرنی چاہئے۔اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو۔



اندھے اور لنگڑے کی کہانی



دو دوست تھے۔ اُن میں سے ایک اندھا تھا اور دوسرا لنگڑا۔ دونوں کی دوستی کا یہ عالم تھا کہ ہروقت اکٹھے رہتے۔ ایک کا کام دوسرا کر دیتا تاکہ جس کمی کا ایک شکار تھا دوسرے کو اِس کمی کا احساس نہ ہو۔

ایسا کرتے وقت گزرتا جارہا تھا۔ کبھی کبھی اُن کو یہ احساس ہوتا کہ ہم ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور کبھی بھی ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوسکتے۔ کیا ہوگا کہ اگر کبھی کوئی مشکل پیش آ گئی تو ہم دونوں کو کون سنبھالے گا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ جو اس پر بھروسہ کرتا ہے وہ کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ وہ کچھ نہ کچھ مدد دوسروں کی بھی کیا کرتے تھے اور شہر کے لوگ اُن دونوں کی جوڑی پر رشک کرتے اور کبھی مذاق بھی اڑا دیتے تھے کہ اگر خدانخواستہ بھاگنا پڑے کسی طوفان یا آفت کے آنے پر تو پھر یہ دونوں کیسے اکٹھے رہیں گے۔

بچو! خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں۔ ایک روز کیا ہوا کہ شہر میں آگ لگ گئی اور اتنی تیزی سے پھیلی کہ دیکھتے دیکھتے شہر خالی ہو گیا۔ رات کا وقت تھا۔ یہ دونوں بھی سو رہے تھے۔ اندھا تو دیکھ بھی نہ سکتا تھا۔ بس شور سن کر اپنے لنگڑے دوست کو کہنے لگا کہ بھائی ذرا آنکھیں کھولو اور باہر دیکھو تو کیا شور ہے لوگوں کے بھاگنے کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ لنگڑے نے آنکھیں تو کھولیں مگر چل نہ سکتا تھا۔ کہنے لگا کہ بھیا ذرا مجھے سہارا دو تو میں باہر جا کر تمہیں بتا سکوں گا۔ اس پر دونوں ذرا سہارے سے باہر آئے تو کیا دیکھا کہ آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں اور سارا شہر بھاگ

بھاگ اپنے گھروں کو چھوڑ کر جارہا ہے۔ پہلا ساتھی یہ دیکھ کر اور دوسرا ساتھی یہ سن کر پریشان ہو گیا کہ ہم کیا کریں۔ کوئی ہماری مدد نہیں کررہا۔ دونوں یہ سوچ ہی رہے تھے کہ اندھے دوست کو ایک ترکیب سوجھی کہ بھائی خدا نے مجھے ٹانگیں تو دی ہیں اور میں چل بھی سکتا ہوں اور دوڑ بھی سکتا ہوں مگر دیکھ نہیں سکتا اور خدا نے تمہیں آنکھیں دی ہیں۔ ہمیں شکر کرنا چاہیئے اور اس نعمت سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ اللہ کا نام لیکر تم میرے کندھوں پر بیٹھ جاؤ اور مجھے راستہ بتاتے جاؤ تو اس طرح سے ہم محفوظ مقام پر پہنچ جائیں گے۔

سو بچو! انہوں نے ایسا ہی کیا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ جانے والے رُخ پر چل پڑے اور آخر بخیریت وہ دونوں ایک اچھی اور محفوظ جگہ پر پہنچ گئے۔

بچو! سبق اس کہانی سے یہ ملتا ہے کہ دوستی سچی ہونی چاہیئے اور وقت آنے پر اس کا ثبوت بھی مل جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے سب کو عقل سمجھ اور اس کے علاوہ کوئی نہ کوئی خوبی بھی دی ہوئی ہوتی ہے۔ اس لئے ہمیشہ انکساری اور حسنِ سلوک کر کے خدا کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہا کرو اور یہ کہ مشکل آنے پر بھی مت گھبراؤ بلکہ ہمت اور حوصلے سے اپنی مدد آپ کرنا سیکھو۔



اندھے اور گنجے کی کہانی



ایک گنجے اور ایک اندھے کا قصہ سناتی ہوں۔

خدا کا فرشتہ انسانی شکل میں گنجے کے پاس آیا اور اُس سے پوچھا کہ تُو کیا چاہتا ہے۔تو گنجے نے کہا کہ میرے سر میں بال ہو جائیں اور مال ودولت ہو جاوے۔ چنانچہ فرشتہ نے گنجے کے سر پر ہاتھ پھیرا تو خدا کی قدرت سے اس کے سر پر بال بھی نکل آئے اور مال ودولت اور نوکر چاکر بھی مل گئے۔

پھر وہ فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ اندھے نے کہا کہ میری آنکھیں روشن ہو جائیں اور میں ٹکریں کھاتا نہ پھروں اور روپیہ پیسہ بھی مل جاوے تو میں کسی کا محتاج نہ رہوں۔فرشتہ نے اُس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو وہ روشن ہو گئیں اور مال ودولت بھی مل گیا۔

پھر وہی فرشتہ گنجے اور اندھے کی آزمائش کیلئے خدا تعالیٰ کے حکم سے ایک فقیر کے بھیس میں آیا اور گنجے کے پاس جا کر سوال کیا گنجے نے تُرش روی سے جواب دیا اور جھڑک دیا اور کہا کہ چل تیرے جیسے بہت فقیر پھرتے ہیں۔فرشتہ نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیر دیا اور پھر وہ گنجے کا گنجا ہی ہو گیا اور سب مال ودولت جاتا رہا اور پھر ویسا ہی تنگ حال ہو گیا۔

پھر وہی فرشتہ فقیر کی شکل میں اندھے کے پاس آیا جو اب بڑا دولتمند اور بینا ہو گیا تھا اور سوال کیا۔اندھے نے کہا:

’’سب کچھ اللہ تعالیٰ نے ہی دیا ہے اور اس کا مال ہے۔تم لے لو۔‘‘

اس پر اللہ تعالیٰ نے اندھے کو اور بھی مال ودولت دیا۔

پس اے عزیز بچو! تم بھی یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور اس کی قدر کرنی چاہیئے اور سوالی کو جھڑکی نہ دو۔ خیرات کرنا اچھی بات ہے اور سوالی کو دینا چاہیئے۔ اس سے خدا خوش ہوتا ہے اور نعمت زیادہ کرتا ہے۔



ایک طوطے کی کہانی



صوفی کہتے ہیں کہ ہر ایک شخص کو جو خدا تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے اُس کیلئے ضروری ہے کہ وہ باب الموت سے گزرے۔ مثنوی میں اس مقام کے بیان کرنے میں ایک قصّہ نقل کیا ہے جو یوں ہے:

ایک شخص کے پاس ایک طوطا تھا۔ جب وہ شخص سفر کو چلا تو اس نے طوطے سے پوچھا کہ بتا میں واپسی پر تیرے لئے کیا لاؤں۔ طوطے نے کہا کہ مجھے تو کچھ درکار نہیں، ہاں اگر تو فلاں مقام پر سے گزرے تو ایک بڑا درخت ملے گا۔ اس پر بہت سے طوطے ہوں گے۔ ان کو فقط میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ تم بڑے خوش نصیب ہو کہ کھلی ہوا میں آزادانہ زندگی بسر کرتے ہو اور ایک میں بدنصیب ہوں کہ قید میں ہوں۔

وہ شخص جب دوران سفر اس درخت کے پاس پہنچا تو اس نے درخت پر بیٹھے طوطوں کو وہ پیغام پہنچایا۔ پیغام کے سنتے ہیں ان میں سے ایک طوطا درخت سے گرا اور پھڑک پھڑک کر جان دے دی۔ اس کو یہ واقعہ دیکھ کر اس شخص کو کمال افسوس ہوا کہ اس کے ذریعہ ایک جان ہلاک ہوئی۔ مگر سوائے صبر کے کیا چارہ تھا۔

جب سفر سے وہ واپس آیا تو اپنے طوطے کو سارا واقعہ سنایا اور اظہارِ غم کیا۔ یہ سنتے ہی وہ طوطا بھی جو پنجرہ میں تھا، اُس نے پھڑک کر جان دے دی۔ یہ واقعہ دیکھ کر اس شخص کو اور بھی افسوس ہوا کہ اس کے ہاتھ سے دو خون ہوئے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر میں اس طوطے سے اس واقعہ کا ذکر ہی نہ کرتا۔

آخر اس نے انتہائی غمزدہ دل سے طوطے کو پنجرے سے نکال کر باہر پھینک دیا۔لیکن اس نے کیا دیکھا کہ وہ طوطا جو پنجرہ سے مردہ سمجھ کر پھینک دیا گیا تھا، اُڑ کر دیوار پر جا بیٹھا اور کہنے لگا:

''دراصل نہ وہ طوطا مرا تھا اور نہ ہی میں۔ میں نے تو اُس سے راہ پوچھی تھی کہ اس قید سے رہائی کیسے حاصل ہو۔سو اُس نے مجھے بتایا کہ آزادی تو مر کر حاصل ہوتی ہے۔ پس میں نے بھی موت اختیار کی تو آزاد ہو گیا۔''

پس بچو! یہ سچی بات ہے کہ نفسِ امّارہ کی تاروں میں جو انسان جکڑا ہوا ہے اس سے رہائی بغیر موت کے ممکن ہی نہیں۔



پیاسا کوّا اور اس کی عقلمندی



بچو یہ کہانی آپ کو بہت پرانی لگے گی مگر جو سبق اس کہانی میں ہے وہ بھی بڑا اچھا ہے۔ اس لئے نانی امی یا دادی اُمی یہ کہانی ضرور سنانا پسند کرتی تھیں۔ اگرچہ ہم کہہ بھی دیا کرتے تھے کہ کوئی نئی کہانی آج سنائیں۔ مگر ان کا اصرار ہوتا تھا کہ پہلے یہ سنو یا مجھے سناؤ تا کہ پتہ چلے کہ تمہیں اس کا سبق یاد بھی ہے یا نہیں۔

تو بچو! کہانی کچھ اس طرح سے شروع کرتی تھیں کہ گرمیوں کا موسم تھا اور اُس روز گرمی اور دھوپ بھی کچھ زیادہ ہی زوروں پر تھی اور پیاس سبھی کو بہت ہی لگ رہی تھی۔ انسان تو کہیں نہ کہیں سے پانی ڈھونڈ کر پیتے ہی جاتے تھے اور پھر بار بار پیتے تھے۔ فرج میں رکھے پانی اور مشروبات بھی پی پی کر پیاس بجھا رہے تھے۔ مگر گرمی کی وجہ سے چونکہ پانی بھی تو گرم ہو جاتا ہے جو مٹکوں میں رکھا ہوتا ہے۔

نالیوں اور گڑھوں کا پانی دھوپ کی وجہ سے خشک ہو چکا تھا اور مٹکے بھی لوگوں نے اپنے لئے کمروں میں رکھ لئے تھے تا کہ دھوپ سے گرم نہ ہو جائیں۔ ایک کوّا جسے شدید پیاس تنگ کر رہی تھی آج تو اُس کی جان پر بن آئی تھی۔ بے چارہ گھر گھر اُڑ کر جاتا اور دیکھتا کہ کسی نے بُھولے سے اپنے مٹکے صحن میں چھوڑ دیئے ہوں تو میں اپنی پیاس بجھا لوں۔ مگر وائے قسمت کہ اس روز اس کو بہت اڑنے کے بعد بھی کہیں پانی نہ ملا۔ صرف ایک مٹکا دکھائی دیا جس میں جھانکا تو دیکھا کہ پانی تو بالکل نیچے پیندے میں تھا۔ اب دیکھئے کہ اس کوّے کی عقلمندی اور ہمت کہ اُس نے ہمت نہ ہاری بلکہ اُڑ کر تھوڑی دُور گیا جہاں پتھروں کی ڈھیری پڑی تھی وہاں ایک مکان تعمیر ہو رہا تھا اور مزدوروں

نے چھوٹے چھوٹے پتھر فرش بنانے کیلئے جمع کر کے رکھے تھے۔

بچو! پتہ ہے اِس عقلمند کوّے نے کیا کیا؟ اس نے جا کر اپنی چھوٹی سی چونچ میں ایک کنکر دبایا اور اُس مٹکے میں وہ کنکری گرادی۔ پھر گیا اور دوبارہ کنکریاں لالا کر ڈالتا گیا اور یہ دیکھ کر خوش ہونے لگا کہ پانی تو مٹکے کی گردن تک اُونچا ہونے کو ہے۔ اور کنکر لے کر جو ڈالے تو پانی منہ تک آ گیا اس طرح وہ پیاسا کوّا بے حد خوش ہوا۔ پیٹ بھر کر پانی پیا اور اُڑتا بنا۔

بچو دیکھو اس کہانی میں اس کوّے کی ہمت، عقل، صبر اور کوشش کرنے کا سبق ہے۔ بچو ہم کچھ نہ کچھ تو ضرور اس کہانی سے سیکھ سکتے ہیں۔



خرگوش اور کچھوے کی کہانی



بچو! آج کی کہانی جو میں آپ کو سنانے جارہی ہوں وہ دو ایسے دوستوں اور جانوروں کی ہے جو اچھے دوست ہونے کے ناطے اپنے پر نازاں بھی تھے اور قدرے گھمنڈ بھی تھا۔ نہ معلوم اپنی خوبصورت شکل وصورت یا چال پر۔ دیکھنے میں خرگوش ایک رنگین یعنی کئی رنگوں کا اونچے کانوں والا پھدکتا ہوا جانور ہے اور اپنی اداؤں سے بچوں کو تو خوب لُبھاتا ہے۔ لوگ اس کو پالتے اور اپنی گود میں لے کر کھیلتے ہیں اور گارڈن میں خوب اس کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ اکثر بچوں نے دیکھا اور پالا بھی ہوگا۔

دوسری طرف کچھوا جو کہ پانی کا جانور ہے اور تالابوں اور سمندر میں رہ کر اپنی زندگی گزارتا ہے۔ کنارے پر آکر ستاتا بھی ہے پتھروں پر پاؤں پھیلا کر دھوپ بھی خوب سینکتا اور اپنی سست رفتار چال سے بچوں کے ہاتھ بھی آسانی سے آجاتا ہے۔ اس کی سخت قسم کی چھت نما براؤن یا مٹیالی رنگت کی ٹوکری جو خوبصورت، نہایت قیمتی، انوکھی اور وزنی ہوتی ہے۔ خطرہ محسوس ہونے پر کچھوا اپنا سر اور پاؤں اس کے اندر چھپالیتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے ایک مٹی کا ڈھیر ہے۔ یہ جانور بہت نایاب ہے۔ اکثر چڑیا گھروں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

اب بچو! ہوا یہ کہ ان دونوں کی یعنی کچھوئے اور خرگوش کی دوستی ہوگئی۔ مگر آخر شیطان بھی تو ساتھ رہتا ہے اور تکبر اور گھمنڈ کرنا بھی سکھا دیتا ہے۔ ایک روز خرگوش اپنے دوست کے گرد اٹکھیلیاں کررہا تھا اور موسم بھی خوشگوار تھا۔ کہنے لگا:

''چلو بھائی کچھوے! آج موسم کا مزا لینے ہم دونوں دریا کے اُس پار چلیں۔''

مگر جھٹ بولا:

''تم بھلا کیا چلو گے اور کب پہنچو گے۔تم ادھر ہی ٹھہرو شام کو آن ملیں گے۔ میں ہی اکیلا اُچھلتا کودتا اُدھر کی رونق اور بہار دیکھ کر آجاتا ہوں۔''

کچھوا ذرا منہ بنا کر بولا:

''بھائی دل تو میرا بھی چاہتا ہے کہ سیر کروں اور اکیلے مجھے یہاں اچھا بھی نہیں لگے گا۔میں اگر آہستہ چلتا ہوں تو کیا بات ہے میں پوری کوشش کر کے تمہارا ساتھ دوں گا۔''

اس پر خرگوش ہنسا اور کہنے لگا:

''اگر ایسا خیال ہے تو پھر آج مقابلہ کر کے دیکھ لو۔تم تو ضرور پیچھے رہ جاؤ گے اور میں اُدھر سے ہو کر واپس بھی آجاؤں گا۔''

خیر چارونا چار مقابلہ کرنے کو کچھوے نے حامی بھر لی۔ دونوں ایک ساتھ چلنے لگے۔ موسم تو خوشگوار تھا اور چاروں طرف سبزہ زار۔خرگوش اپنی مخصوص اداؤں سے کودتا ہوا یہ جا اور وہ جا مگر کچھوا بے چارہ آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ دیکھتے دیکھتے خرگوش بھائی اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔مگر اس نے ہمت نہ ہاری اور دھیرے دھیرے اپنا راستہ طے کرتا رہا۔

اُدھر خرگوش نے جب خوب چھلانگیں لگانے کے بعد پیچھے مُڑ کر دیکھا تو کچھوا تو دُور دُور تک کہیں دکھائی نہ دیا تو سمجھا کہ وہ کہاں اتنی جلدی منزل مقصود پر پہنچ سکتا ہے۔ میں چونکہ کچھ تھک بھی گیا ہوں اور بھوک بھی لگ رہی ہے۔ ہرے بھرے کھیتوں میں گھس کر پہلے تو پیٹ بھر خوب گھاس پھوس اور گاجریں وغیرہ کھائیں اور پھر نیند نے آدبوچا۔لگا خراٹے بھرنے اور گہری نیند کے مزے لینے ۔ یہاں بچو میں یہ بھی بتاتی چلوں کہ خرگوش کی نیند اتنی گہری ہوتی ہے کہ مشہور ہے کہ خواب خرگوش کی طرح سو رہے ہو کیا؟ اتنے میں کچھوا جو آہستہ آہستہ چلتے چلتے اُسی راستے سے کھیتوں کے بیچوں بیچ گزرنے لگا تو خرگوش کو سوتے پا کر خاموشی سے پاس سے گزر گیا اور خوش ہوا کہ میں بھی

بہت پیچھے نہیں ہوں۔خیر مسلسل چلتا رہا اور منزل جو طے کرنا پائی تھی، وہاں پہنچ گیا۔خرگوش کا کہیں دور دور تک نام ونشان نظر نہ آیا۔ وہ خرگوش کا انتظار کرنے لگا۔

اُدھر اچانک خرگوش کی آنکھ کھلی جو خواب غفلت میں سوتے سوتے گھنٹوں سویا اور جی بھر کر سویا اور جب نیند کے خوب مزے لیکر اُٹھا تو اُسے مقابلہ یاد آیا۔اُس نے فوراً سوچا کہ میرا دوست کچھوا تو کہیں آتا دکھائی نہیں دیتا۔ میں فراٹے بھر کر اُس پار جا پہنچتا ہوں۔

جب وہ وہاں منزل مقررہ پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کچھوا وہاں بیٹھا اُس کا انتظار کررہا ہے۔اس پر خرگوش بہت شرمندہ ہوا اور معذرت کرنے لگا:

''کچھوئے بھائی! میں نے اپنی چال پر گھمنڈ کیا تھا جو خدا کو پسند نہ آیا اور مجھے راستے میں نیند نے آلیا۔ میں کئی گھنٹے سویا رہا اور تم اِس طرح ایک باہمت اور صابر و محنتی دوست ثابت ہوئے اور مسلسل چلتے رہے اور مجھ سے سبقت لے گئے۔ میں آئندہ کبھی اپنی چال پر ناز نہ کروں گا بلکہ تمہاری مزید قدر اور عزت کروں گا۔''

اس طرح سے اُن کی دوستی اور بھی مضبوط ہوگئی۔

دیکھا بچو! کیسی تھی سبق آموز کہانی۔ آپ بھی نہ کسی کا مذاق اُڑانا اور نہ کسی بات پر تکبر یا بڑائی کرنا بلکہ اچھے دوست بن کر رہنا سیکھو۔



شیر اور چوہا



ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک شیر سو رہا تھا۔ ایک چوہا کھانے کی تلاش میں باہر نکلا اس نے دیکھا کہ شیر سو رہا ہے وہ اس کے اوپر چڑھ کر اچھلنے لگا اسے بہت مزہ آ رہا تھا۔ شیر کے نرم نرم بال اسے بہت اچھے لگ رہے تھے۔ چوہے کے اچھلنے کودنے سے شیر کی آنکھ کھل گئی اور اس نے چوہے کو پکڑ لیا۔ چوہا بہت پریشان ہوا۔ اس نے شیر سے التجا کی کہ:

''اے جنگل کے بادشاہ! آپ مجھے چھوڑ دیں۔ میں آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا۔''

شیر نے چوہے کی بات مان لی اس نے چوہے کو چھوڑ دیا۔ چوہا بہت خوش ہوا۔ اس نے کہا کہ:

''اے جنگل کے بادشاہ! میں اس احسان کا بدلہ ضرور اتاروں گا۔''

چوہے کی اس بات کو سن کر شیر زور زور سے ہنسا۔ اس نے سوچا کہ کیسے یہ چھوٹا سا چوہا میرے کسی کام آئے گا اور میرے احسان کا بدلہ اتارے گا۔ شیر یہ بات بھول گیا تھا کہ کائنات کی کوئی چیز بھی نکمی اور بے کار نہیں ہے چاہے وہ چھوٹا سا چوہا ہی کیوں نہ ہو۔

وقت گزرتا گیا۔ شیر کو بھی چوہے کی یہ بات بھول گئی۔ وہ جنگل کا بادشاہ تھا اس لئے اس نے چوہے کی اس بات کو اہمیت نہ دی۔

شیر جس جنگل میں رہتا تھا وہاں پر ایک شکاری اکثر شکار کھیلنے آیا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے شیر کو چہل قدمی کرتے دیکھ لیا اور دل میں ٹھان لی کہ میں شیر کو ضرور پکڑوں گا۔ اس نے شیر کو پکڑنے کیلئے جال بچھایا۔ شیر اچانک چلتے چلتے اس کے جال میں پھنس گیا۔ شیر نے بہت زور لگایا کہ وہ جال سے

آزاد ہوجائے مگر جال کی رسیاں بہت مضبوط تھیں اس لئے وہ جال سے چھٹکارا حاصل نہ کرسکا۔شیر بہت پریشان ہوا۔اسی دوران ننھے چوہے کا ادھر سے گزر ہوا۔اُس نے دیکھا کہ شیر جال میں پھنسا ہوا ہے اور وہ بہت پریشان ہے۔چوہے کوفوراً شیر کا احسان یاد آ گیا۔اس نے سوچا کہ اب احسان کا بدلہ چکانے کا وقت آ گیا ہے۔چوہے نے اپنے تیز دانتوں سے جال کی مضبوط رسیوں کو کاٹنا شروع کردیا۔دیکھتے ہی دیکھتے اس جال کی تمام رسیاں کاٹ ڈالیں۔اب شیر آزاد تھا۔اس نے ننھے چوہے کا شکریہ ادا کیا۔اس کے بعد شیر اور چوہا ایک دوسرے کے پکے دوست بن گئے۔اب شیر کو احساس ہوا کہ واقعی کائنات میں کوئی چیز بھی نکمی اور بے کار نہیں ہے اللہ کی تمام مخلوق کارآمد ہے۔

پیارے بچو! اب دیکھو کہنے کو تو یہ دو جانوروں کی کہانی ہے۔آپ حیران ہوں گے کہ ان کی دوستی کیسے ہوسکتی ہے؟ دونوں کیسے ایک دوسرے سے بات کرسکتے ہیں؟ مگر کہانی لکھنے والے بھی اس میں دلچسپی اور سبق کو ہی مدنظر رکھ کر چھوٹے بچوں کو سکھانے کیلئے لکھتے ہیں۔من گھڑت قصے ضرور ہوتے ہیں مگر ہوتے سبق آموز ہیں۔

آپ کو یہ یاد رکھنا ہوگا کہ اس کہانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ کبھی اپنے بڑے پن پر اور طاقت پر فخر یا تکبّر نہ کرو اور دوسرے کو کبھی چھوٹا یا کمزور نہ سمجھو۔ہوسکتا ہے کہ کبھی یہی چھوٹا اور کمزور نظر آنے والا آپ کے لئے رحمت کا موجب بن جائے اور زندگی کی کسی مشکل سے آزاد کردے۔



ایک اور سبق آموز اور دلچسپ کہانی، پڑھو اور لطف اٹھاؤ

مرغ اور لومڑی



کسی گاؤں میں ایک مرغا رہتا تھا۔اس کے برابر والے گاؤں میں ایک لومڑی رہتی تھی۔وہ کئی دنوں سے اس مرغے کو کھانے کا منصوبہ بنا رہی تھی۔وہ چاہتی تھی کہ اس کو مرغا کسی دن اکیلا مل جائے۔آخر ایک دن لومڑی کی یہ خواہش پوری ہوگئی۔اس نے چالاکی سے مرغے کے پاس جا کر کہا:

''میاں مرغے سلام عرض کرتی ہوں۔''

مرغے نے بڑے ادب سے سلام کا جواب دیا۔لومڑی نے مرغے سے کہا:

''کیا وہ زمانہ تھا جب اسی جگہ جہاں پر اب تو کھڑا ہے وہاں تمہارے ابا جان بیٹھتے تھے اور میں ان کی سریلی آواز میں گانا سنتی تھی۔''

پھر لومڑی بولی:

''مجھ کو یقین ہے کہ تمہاری آواز بھی تمہارے باپ کی طرح ہی اچھی اور سریلی ہوگی۔تم آج مجھ کو اپنی آواز میں کوئی اچھا سا گانا سناؤ۔''

بس پھر کیا تھا۔مرغے میاں نے جب اپنی تعریف سنی تو کہنے لگے کہ لومڑی میں تم کو گانا ضرور سناؤں گا اور خوشی سے آنکھیں بند کر کے اونچی آواز میں گانا گانے لگا۔لومڑی نے موقع تاک کر مرغے کو اپنے دانتوں میں پکڑ لیا اور بھاگنا شروع کر دیا۔اس گاؤں میں جہاں مرغا رہتا تھا، چند

کتے بھی رہتے تھے۔انہوں نے لومڑی کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔لومڑی آگے آگے اور کتے اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہے تھے۔مرغے کی جان خطرے میں تھی۔اس کے دماغ میں ایک ترکیب آئی۔اس نے لومڑی سے کہا:

''تم کتوں سے کہو کہ میں نے یہ مرغا تمہارے گاؤں سے نہیں چرایا۔یہ سن کر کتے تمہارا پیچھا کرنا چھوڑ دیں گے۔''

لومڑی ویسے تو خود ہی بہت چالاک ہوتی ہے لیکن وہ مرغے کی چالاکی میں آ گئی۔لومڑی نے منہ پیچھے کر کے کہا:

''یہ مرغا میں نے تمہارے گاؤں سے نہیں چرایا۔بلکہ کہیں اور سے پکڑا ہے۔''

لومڑی نے جیسے ہی منہ کھولا مرغا اس کے دانتوں سے نکل کر ایک درخت پر جا بیٹھا۔لومڑی نے جب اپنا شکار جاتے ہوئے دیکھا تو بولی:

''لعنت ہے اس منہ پر جو بے موقعہ کھل جائے۔''

مرغے نے جب یہ سنا تو بولا:

''لعنت ہے ان آنکھوں پر جو بے موقع بند ہو جاتی ہیں۔''

(ماخوز''لاہور'')

